

رافیہ سوہانہ شہیت سے پور ہو رہی تھی۔
 حکمران خارجہ کا آہستہ آہستہ صلیبی
 برسی طرح جان کو آگیا تھا۔ صبح ہوئی تو موجود شام کو ہوش
 واپس آئی تو دیکھنے لگاؤ میں بیٹھے انتظار فرما رہے ہیں۔ ادھر
 پروفیسر تھا کہ اسے وقت دینے کے سلسلے میں کوئی واضح جواب
 نہیں دیتا تھا۔ کبھی کہتا ابھی ستارے موافق نہیں ہیں، کبھی
 کہتا اس طرح فوری طور پر مل لینے میں بے وقتگی ہوگی۔ رافیہ
 اُسے سمجھانے کی کوشش کرتی کہ وہ اس صورت حال کو زیادہ
 عرصہ تک برداشت نہ کر سکے گی۔ ویلا فی مسکرا کر سر ہلاتا
 اور اسے دوسری باتوں میں الجھا کر اس موضوع کو سرے سے
 اُڑا ہی دیتا۔
 ادھر رافیہ محسوس کرنے لگی تھی کہ کئی۔ ایک صلیبی بھی
 اب پروفیسر سے ملنے کے لیے اتنا بے تاب نہیں جتنا کہ خود
 اس کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے رہتا ہے۔
 وہ ایک وراز قد اور صحت مند آدمی تھا۔ عمر چالیس اور
 پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ ویسے تو صاف ستھری عادات
 والا معلوم ہوتا تھا لیکن سحر توں کے معاملے میں ان لوگوں
 سے مختلف نہیں ہو سکتا تھا جو اپنی معصومیت اور بے پیکار
 افتاد و طبع کا مظاہرہ کر کے انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی
 کوشش کرتے ہیں اور پھر ان پر اس طرح اپنا حق جتاتے ہیں
 جیسے وہ صرف اُنھی کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔
 ایک ہفتے سے وہ دن میں دو بار اس سے مل رہا تھا۔
 آج بھی ٹھیک اسی وقت نازل ہوا جب وہ کام پر جانے
 کے لیے تیار تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر اس کا
 مونہ جھکا گیا۔ وہیں پر کئی بُرے الفاظ مسٹر ٹی۔ ایچ صلیبی
 کے لیے گونج رہے تھے۔ لیکن وہ ابھی طرح جانتی تھی کہ دروازہ کھولتے
 ہی اُسے اخلافا مسکرائے گا اور جواب میں مسٹر صلیبی
 کی تیشی کا وید لازمی ٹھہرا۔
 کج بحث کو پہنچنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ رافیہ کو ایسی ہنسی
 سے صدر گراں گزرتی تھی جس میں دانتوں کے ساتھ سونے تک
 دکھائی دینے لگیں۔
 بہر حال اس نے دروازہ کھولا، مسکرائی اور مسٹر صلیبی
 کے وائٹ نکل پڑے۔
 ”کیا بتاؤں، پھر تکلیف کا باعث بنا“
 ”لگ... کوئی بات نہیں! رافیہ کو بہر اخلافا مسکرائے

پڑا۔ ویسے وہ سوچ رہی تھی کاش والہی میں وہ کسی حادثے
 کا شکار ہو جائے کہ شام کی رویت کا باعث نہ بن سکے۔
 ”تشریف لے لائیں۔“ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ویلا فی
 نے پہلے ہی کبہ رکھا تھا کہ اگر وہ صلیبی کی دوسرے دیر سے بھی
 کام پر پہنچنے کی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
 ”سچ سچ میں بے حد شرمندہ ہوں مختصر سموات لیکن کیا
 کروں حالات ایسے ہی ہیں! کیا آپ نے پہلی شام پروفیسر سے
 فون پر بات کی تھی؟“
 ”الطاف قائم نہیں ہو سکا تھا، تشریف رکھنے اور اصل چوٹ
 کے فون کی لاش میں کوئی خرابی ہے۔ ادھر مقررے اور ادھر کسی
 طرف سے کوئی دوسری لائن آئی۔ اب آپ ہی دو کامیوں کی
 گفتگو سن رہے ہیں۔“
 ”بہ فیسی ہے میری۔“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
 ”پہلی رات معلوم ہوا ہے کہ مجھ سے کئی سال جو نیوٹر آڈی کی تھی
 ہونے والی ہے اور پوسٹ پر میرا حق ہے لیکن اقربا و ازی
 کا چکر شاید مجھے اس سے محروم ہی رکھے۔ دیکھئے اب ایسے
 وقت میں اگر پروفیسر سے ملاقات نہ ہو سکی تو پھر کوئی فائدہ
 میں کیا کروں مسٹر صلیبی نے بس ہوں اس معاملے
 پروفیسر رضی کے مالک ہیں۔ جب خود چاہیں گے تب
 ملیں گے آپ سے! وہ کہتے ہیں افسر و مل معاملہ ہے،
 ستارے موافق ہوں گے تب ہی ملوں گا۔“
 ”لیکن اگر تیری کسی دوسرے کو مل گئی ہے؟“
 ”آپ خواہ مخواہ فکرمند ہوتے ہیں اگر ایسی کوئی بات
 بھی گئی تو پروفیسر کوئی راہ نکال لیں گے۔ ستارے...
 جانے کے بعد تو انھوں نے لوگوں کے ایسے ایسے کام
 میں کوئی دنگ رہ جاتی ہے۔“
 ”ان کے ستارے یا میرے؟“
 ”دونوں کے مطابقت اور موافقت ہو جانے کے
 ہی کا بہتے ہیں۔“
 ”غیر! وہ ضرور ہی آواز میں بولا۔
 رافیہ سوچنے لگی۔ بات ختم ہو چکی مگر یہ ضرور
 سے چپک کر رہ جائے گا۔
 ”مجھ پر خاموشی رہی ہو صلیبی بولا۔ میں شام
 آؤں گا کیا آپ میرے ساتھ ایک وراثی شمشیر
 کریں گی؟“

رافیہ ستانے میں لگی۔ جھلا کیا جنگ تھی۔ وہ اس سے
 پروفیسر کی سکونری کی حیثیت سے ملتی تھی اور ان ملاکوں
 کی نوعیت شخص کار و باری تھی ورنہ وہ تو یہاں آنے سے قبل
 بھی الگ تھک زندگی گزارنے کی عادی رہی تھی۔ اس کا کبھی
 کوئی برائے نام فریڈ نہیں رہا تھا۔ لہذا اس قسم کی دعوت اسے
 کچھ اچھی نہ لگی۔ اُس نے سوچا اس مسئلے پر پروفیسر سے بات
 کیے بغیر کوئی فیصلہ کن جواب نہ دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ
 وہ پروفیسر کی مرضی سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔
 ”دیکھئے! میں ابی جواب نہیں دے سکتی۔ پتا نہیں شام
 کو بھی کتنی دیر تک مصروفیت رہے۔ رافیہ نے کچھ دیر بعد کہا۔
 ”ٹھیک ہے... ٹھیک ہے میں شام کو آپ سے
 معلوم کروں گا۔“
 اس جواب پر رافیہ جھپٹا لگی۔ کہیں ڈھینچہ معلوم ہوتا
 ہے کوئی اور ہوتا تو غدر لنگ کچھ کر خاموشی ہی اختیار کرتا۔
 بہر حال وہ اس کے اٹھ جانے کی منتظر رہی لیکن
 اُدھا گھنٹہ گزر جانے پر بھی اس نے رخصت ہو جانے کا
 ارادہ ظاہر نہیں کیا۔
 آخر اسے گھڑی دیکھتے ہوئے کہتا ہی پڑا کہ اسے دس
 منٹ قبل کام پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔
 ”ادھ خیال ہی نہ رہا باتوں میں رہتے بھی ایک جنگ
 پہنچتا ہے۔“ صلیبی نے بھی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
 اور پھر وہ ساتھ ہی کمرے سے باہر نکلے۔ ہونٹ کی کارٹ
 ان منزل تھی۔ نصف سٹم نہیں تھا۔ رافیہ تیسری منزل پر تھی۔
 وہ دونوں میز بیچوں کی طرف بڑھے۔ بیٹھ بیٹھ
 پہنچنے کے لیے ایک چھوٹی سی راہ راہی ملنے کرنی پڑتی تھی۔
 ”جیسے ہی وہ سر پر پہنچے انھیں دونوں سے ایک
 آدمی لڑھکتا نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی تین چار عجلہ کنائیں
 ہی پسلقی جا رہی تھیں۔
 دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوسری منزل کی راہ راہی میں
 پہنچے۔ یہ دونوں تیسری سے زینے ملے کہنے لگے۔ رافیہ
 نے گھوم کر دیکھا کہ وہ گرجانے کے بعد اٹھ بیٹھنے میں کامیاب
 اس پر اٹھا اور اٹھ بیٹھنے کے لیے یہ جدوجہد پھر ایسی ہی
 رہی تھی جیسے کوئی بے ہوش ہوتا ہوا آدمی بے بسی
 اٹھ رہا ہو۔

”ارے مہرے... اٹھائیے۔“ رافیہ نے بول کھلائے
 ہوئے لہجے میں کہا۔
 ”جی ہاں... جی ہاں“ صلیبی کھرجا جانے والے پر جھکتا
 ہوا بولا۔
 اس نے اسے اٹھا کر سیدھا کونے کی کوشش کی لیکن
 اس کے گھٹنے ٹک گئے۔ انھیں کھلی ہوئی تھیں پکلیں بھی جھپکا
 رہا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے کچھ دکھائی نہ دے رہا ہو۔
 ”مشر... مشر! ہوش میں آئیے۔“ صلیبی نے اس کے
 کان کے قریب مرنے لے جا کر کہا اور بدستور اس کی انگلیوں میں
 ہاتھ دے اٹھائے رہا۔
 ”میں ہوش میں ہوں۔“ اس نے مبراہی ہوئی آواز میں
 کہا۔ ”میری عینک... مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔“
 عینک سامنے ہی پڑی تھی۔ صلیبی نے رافیہ سے
 انگریزی میں کہا۔ ”ادھ عینک اٹھا کر دکھا دیجئے، یہ دیکھ
 نہیں سکتے۔“
 نوجوان کے سر پر اب پوری طرح خش پر ہلکے ٹھٹھے اور
 وہ اپنی ہی قوت سے کھڑا ہوا تھا۔
 رافیہ نے جھپٹ کر عینک اٹھائی اور اس کے نگاہ دی۔
 یہ ایک نوجوان آدمی تھا، خوش شکل اور خوش لباس بھی
 تھا لیکن رافیہ نے اس میں کوئی ایسا بے شمس کی جو عام طور
 پر نہیں پائی جاتی۔
 اس نے تھک کر اس کی کتابیں بھی اٹھائیں۔
 ”براہ کرم مجھے میرے کمرے میں پہنچا دیجئے۔“ نوجوان
 نے نجیت کی آواز میں کہا۔ ”میں تھکا ہونے لے کر نکلیں گا۔“
 ”ضرور... ضرور۔“ صلیبی بولا پھر اس نے رافیہ کو
 انگریزی میں اس نوجوان کی خواہش سے آگاہ کر دیا۔
 نوجوان نے بتایا کہ وہ تیسری منزل پر رہتا ہے کمرے
 کے نمبر سے رافیہ نے اندازہ لگایا کہ وہ اس کے قریب ہی ہوگا۔
 دونوں نے سہارا دے کر اس سے زینے ملے کولنے
 اور کمرے تک پہنچایا۔
 ”کیس جوت تو نہیں آئی؟“ رافیہ نے پوچھا۔
 ”جی ہاں، گھٹنوں میں، اکثر میرا سر چکڑا جاتا ہے،
 پیر لڑھکتا جاتے ہیں اور چلتے چلتے گر جاتا ہوں۔“ اس نے
 کچھ ایسی معصومیت سے کہا کہ رافیہ کا دل رحم کے جذبے سے
 معمور ہو گیا۔

"اگر ضرورت ہو تو ڈاکٹر..."
 دبی نہیں شکر یہ! یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ گھٹنوں
 میں زیادہ جوت نہیں آتی۔ تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جائوں گا!
 "آپ کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے؟" تھوڑی دیر بعد
 "جی نہیں!"
 "ایسی صورت میں تو آپ کو تنہا رہنا چاہیے۔"
 رافیہ کی وجہ سے حدیثی شاید طوعاً و کرہاً گفتگو کو
 طول دے رہا تھا۔
 "میں ایم۔ اے فاضل کالاب علم ہوں۔" نوجوان بولا۔
 "ہوسٹل میں جگہ نہیں ملی تھی اس لیے مجبوراً یہاں
 رہائش اختیار کرنا پڑی۔"
 وہ دونوں کچھ دیر اس کے حالات پر افسوس کرتے
 رہے پھر کمرے سے نکل آئے۔ اس کے بعد دونوں کی رائیں
 الگ ہو گئیں۔
 رافیہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ماڈل کالونی کی طرف روانہ ہو
 گئی تھی۔ راستہ بھر اسی نوجوان کے بارے میں سوچتی رہی۔
 کتنی بے بسی کی حالت میں تھا۔ خطرناک مرض ہے۔ اکثر
 راہ چلتے بھی گر کر تباہ ہو گا۔ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر
 سوچتے رہتے کا عادی ہے۔ چہرے پر علم کا نور تھا۔
 اوٹو ویلائی اپنی میز پر آیا۔ اسے دیر ہو جانے کی
 بنا پر شاید خود ہی ڈاک لے کر بیٹھ گیا تھا۔
 "مجھے افسوس ہے پروفیسر۔" رافیہ نے اسے اپنا کام
 کرتے دیکھ کر کہا۔ "وہ آگیا تھا۔ حدیثی باتوں میں انجیل نہ پڑا۔"
 "کوئی بات نہیں۔ اس صورت میں بھی تم بزنس ہی
 سے متعلق ایک فرض اور کرتی رہی ہو۔"
 "لیکن پروفیسر..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔
 "ہاں... ہاں کہہ دو۔"
 "مجھے یہ آدمی قطعی پسند نہیں۔"
 "مکن ہے مجھے بھی پسند نہ آئے پھر اس سے کیا؟"
 رافیہ نے جھنجھلاہٹ میں کوئی تلخ جواب دینا چاہا لیکن
 پھر خاموش رہی۔ ویسے ناگواری کے اثرات اس کے چہرے
 پر موجود تھے۔ ویلائی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر
 بعد رافیہ نے غصیلی آواز میں کہا۔
 "وہ آج شام کو مجھے کسی وراثتی شویں لے جانا چاہیے۔"
 "چلی جانا۔" ویلائی نے بے پروائی سے کہا۔

"میں اسے پسند نہیں کرتی۔"
 "تم جانو۔ اس کی عرض و غایت میں تم پر پہلے ہی وضع
 کر چکا ہوں۔"
 "ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے بارے میں
 کافی چھان بین کرنے کے بعد آپ نے مجھے اس ملازمت کا
 آفر دیا تھا۔"
 "یہ درست بھی ہے۔"
 "لہذا آپ جانتے ہی ہوں گے کہ میرا کہیں کوئی بوائے
 فرینڈ نہیں رہا اور میں اپنی شاہین تنہا ہی گزارتی ہوں۔"
 "میں اسے بھی تسلیم کرتا ہوں۔"
 "تو پھر؟"
 "میری رائے ہے کہ تم اس کی دعوت قبول کر لو۔ اس
 سے تمہارے گروار پر حرج نہیں آسکا کیونکہ تم تجارتی مصلحت
 کی بنا پر ایسا کرو گے۔"
 "سوال یہ ہے کہ میری تجارت میں ہاتھ کیوں لگائیں
 جس کے لیے اپنی سطح سے گرتا پڑے۔"
 "اودھ تو کیا ہم یہاں کافی ہوتی رقم نہیں چھوڑ سکتے
 گے۔ میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس رقم کو اسٹرٹ
 میں تبدیل کرنا ہے اور یہ سرکاری افسروں سے میل جول پیدا
 کیے بغیر ناممکن ہے۔"
 "تو اس کا یہ مطلب ہو کہ مجھے اس کے لیے وہ سب
 بھی کرنا پڑے گا جس پر غیر ملامت کرے۔"
 "اس حد تک کیوں سوچتی ہو۔ یہ تو تمہارے تدریجی
 ہے کہ خود کو گرائے بغیر کام نکال لو۔"
 وہ کچھ نہ بولی۔
 پروفیسر ابھی مزید کچھ کہنے والا تھا کہ فون کی گھنٹی
 اس نے رسیبہ پر راجھالیا۔
 "ہیلو... اودھ... ہاں... اچھا... تم وہ چلا جاؤ۔"
 ہی پاس رکھو! ستاروں کی چال ہی جھپتی ہے۔
 تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ لوگ خائف نہ رہیں۔
 میں تم اگر سامنے آجی جاؤ تو تم سے دور رہا کروں گا۔
 میں ابھی تمہیں منظر عام پر آنے کا مشورہ نہیں دے رہا۔
 بس اتنا ہی کافی ہے۔" ویلائی نے رسیبہ کو روک دیا۔
 رافیہ سے بولا۔
 "عمران تھا۔ کل وہ لوگ کسی طرح جوڑا لے گئے۔"

گشت تھے۔ عمران نے پچھلے رات اسے ڈھونڈ نکالا۔ ان کے بیچ
 سے دہائی دلائی لیکن اب وہ مخالف ہے۔ انہیں وہ چیز واپس
 کو دینا چاہیے جس کے لیے یہ ہنگامہ ہوا تھا۔
 "جو فون کہاں ہے؟"
 "عمران کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق اس کے فلیٹ
 میں ہے۔"
 "تو کیا وہ لوگ اسے مجھے پہلے گئے تھے؟"
 "اس کے بارے میں کوئی ابھی خبر نہیں ہے۔ شاید عمران
 ہم پر بھی کسی قسم کا شبہ کر رہا ہے اور یہ سب کچھ تمہاری ایک
 غلطی کی بنا پر ہوا۔ تمہیں جو فون کو بچھڑ کے داغ والے ڈالنے
 سے آگاہ نہ کرنا چاہیے تھا۔"
 "میں نہیں سمجھی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ میں نے آپ سے
 پوچھ لیا تھا۔"
 "تم بھول رہی ہو۔ میں نے اس کی اجازت ہرگز نہ دی
 ہوگی۔ وہ ہمارا نجی معاملہ تھا۔ میں نے اس آدمی کو سزا دی تھی
 جس نے اس لیے کہ وہ ہم لوگوں کو بھی اس معاملے میں گھسنا
 چاہتا تھا۔"
 "لیکن تم کو کیا؟"
 "عمران نے جو فون کو ہدایت کی تھی کہ وہ فلیٹ سے
 اتر کر فون نہ لے سکے۔ لیکن وہ کسی کی پیشانی پر عرصہ بٹا دیا
 اس کے چہرے پر دھڑکاؤ تھا۔ اس طرح وہ لوگ اس پر قابو
 لے گئے۔"
 "آخر وہ ہم پر کس بات کا شبہ کرے گا؟"
 "کچھ نہیں سمجھ کر۔ ہاں تو وہ اس چیز کو واپس تو کرنا
 چاہتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ ان سے ملا کا خواہاں ہے اور میرا
 دل ہے کہ اس نے اس کا سراغ یا تو لیا تھا لیکن جو فون
 حاصل کر لینے کے بعد پھر وہ اس کی نظروں سے اوجھل
 ہو گیا۔ ظاہر ہے جو فون جہاں سے ملا ہو گا اب وہ لوگ
 اس کو نہ ہوں گے۔"
 "یقیناً لیکن پھر وہ ملے معاملے نے مجھے الجھن میں
 ڈال دیا ہے اور اب یہ بات میری سمجھ میں آتی ہے کہیں جو فون
 کو واپس کر دوں گی تو لوگوں نے اسے پھینک دیا تھا۔"
 "اودھ مجھے بھی تو کیا ہو گا؟" پروفیسر نے بے پروائی
 سے کہا۔

رافیہ کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔
 "میں تو صرف سوچ رہا ہوں کہ عمران کو اس مصیبت
 سے کس طرح نجات دلائی جائے؟"
 "کوئی طریقہ نہیں۔"
 پروفیسر نے نفی میں سر کو جنبش دی۔
 "وہ کیسے چلا آیا تھا جس نے میری توہین کی تھی اور
 سزا کے طور پر اپنی پیشانی پر داغ لے گیا تھا۔"
 "روح کے معاملات تو روح ہی مانتے۔" پروفیسر کچھ
 سوچتا ہوا بولا۔ "البتہ ایک بات ہے تم یقیناً طور پر اس
 مسئلے میں کچھ نہ کچھ کر سکتی۔"
 "میں...؟" رافیہ کے لیے میں حیرت تھی وہ کس طرح؟
 "وہ پھر تمہارا بیٹھا کریں گے۔"
 "کیوں؟"
 "انہیں یقین ہے کہ کم لوگ عمران کی کین گاہ سے
 واقف ہیں۔"
 "تو کیا...؟"
 "ڈر نہیں۔" پروفیسر سر ہلا کر بولا۔ "تم زیادہ سے
 زیادہ وقت باہر گزارنے کی کوشش کرو۔"
 "میں نہیں سمجھی۔"
 "شہر میں یہ واقعہ کچھ بہت سے مواقع ہیں۔ اتفاق
 ہی کہنا چاہیے کہ شہر کی ایسی حدیثی کی طرف سے دعوت
 بھی ملی ہے نہیں۔ تنہا جھلکتی پھر تو شاید انہیں شبہ ہو
 جائے لیکن کسی کے ساتھ دیکھ کر وہ مقصد کی تہ تک نہ
 پہنچ سکیں گے۔"
 رافیہ سوچ میں پڑ گئی پھر کچھ دیر بعد بولی: "اس کا
 مقصد کیا تھا؟"
 "ان لوگوں میں سے کسی ایک کو ڈھونڈ نکالنا کہ عمران
 کے معاملات طے کیے جا سکیں۔"
 "آخر آپ اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟"
 جو فون کی وجہ سے، جس کا موروثی اس اس مقدس
 روح کا خاتم تھا۔
 پھر رافیہ نے موضوع کو اگلے مرحلے کی کوشش میں لے لیا۔
 وہ ذہنی حلقہ شریں بتلا گئی تھی۔ جو فون والا معاملہ
 اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچتی رہی، نہ جانے کہیں
 وہ اسی نتیجے پر پہنچتا چاہتی تھی کہ غیر ارادی طور پر وہ خود

ہی اس واقعہ کا سبب بنی تھی تو کیا پروفیسر عمران کے مخالفین کی اعانت کر رہا تھا۔

اگر ایسا نہیں تھا تو پیشانی پر ایک مخصوص قسم کا واضح لگا کر کیوں رخصت کر دیا گیا تھا۔ یہ کیسی سزا تھی؟

سیکٹ سرورس کے تین مجس اس عمارت کی نگرانی کر رہے تھے، ان میں صدر بھی شامل تھا۔

دن کے گیارہ بجے تھے اور ابھی تک عمارت سے کوئی برآمد نہیں ہوا تھا۔ اس کی نگرانی تو پچھلی رات ہی سے شروع کر دی تھی۔

عمران نے دو لوگوں کو عمارت میں داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہاں صرف وہی دونوں ہی تھے یا ان کے علاوہ اور بھی تھے۔

صدر سوچ رہا تھا کیا وہ لوگ مخالف ہیں؟

ڈاکٹر داراب کی کوٹھی جس کا کچھ حصہ دھماکے سے منہدم ہو گیا تھا یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

غیر ملکیوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا تھا اور ڈاکٹر داراب کا اسسٹنٹ جو فوری موت کا شکار نہیں ہوا تھا صبح ہوتے ہوتے بے ہوشی ہی کی حالت میں چل بسا تھا۔ صدر کو بھی رپورٹ ملی تھی کہ پولیس اس کا بیان نہیں لے سکی۔ شہر میں کتنی پھیل گئی تھی۔ داراب کی کوٹھی کے گرد پولیس کا پہرہ تھا اور ماہرین دھماکے کا سبب معلوم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ حکومت رانسائی کے لیے نئی آنکھوں نے جنم لیا تھا۔ صدر بے اختیار مسکرا کر کہہ رہے تھے کہ یہی فیصلہ کی بجائے ہوتی صورت آنکھوں میں پھر گئی تھی۔

صدر کی حالت میں وہ اس عہدے کے لیے نوزوں نہیں تھا۔

تھک سوا لیکارہ تھے اس نے عمارت کے کیاؤنڈ میں ایک چھوٹی سی کار داخل ہوتی دیکھی تھی عورت ڈرائیو کر رہی تھی اور شاید وہی تہنا تھی بھی گاڑی میں! فاصلہ زیادہ ہونے کی بنا پر خود خال کا اندازہ نہ ہو سکا۔ گاڑی سے اترنے اور صدر دروازے تک پہنچنے میں اس نے بڑی بھرتی دکھائی تھی۔ صدر نے غصے سے جیسے جیسے کا اندازہ لگایا جاتا رہا۔

دروازے کا ہیڈل تھا کہ وہ اندر گئی تھی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ یا تو خود نہیں رہی تھی یا یہاں کے ملکیوں سے اس حد تک بے تکلف تھی کہ گھنٹی بجا کر انھیں

اپنی آمد سے مطلع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

صدر سوچ رہا تھا کہ آخر شناسائی کا احساس کیوں پیدا ہوا۔ اسے دیکھ کر... یہ چلنے کا انداز کہاں دیکھا تھا؟

کب دیکھا تھا؟

وقعہ وہ چونک پڑا۔ نہیں گڑوڑ... کیا وہ گڑوڑ تھی؟ قد و قامت میں یقیناً اسی سے مماثلت رکھتی تھی۔ چہرہ اچھی طرح دیکھ نہیں سکا تھا۔ دیکھتا بھی تو کیا؟ اتنے فاصلے سے صورت کب پہچانی جاسکتی۔

اس نے ایسا اسکوٹرائٹ کیا اور عمارت کے چائیک سے تھوڑے ہی فاصلے پر دوبارہ رگ کرا جن کی چال کو وہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایسے ہی پرسکون انداز میں شروع کر دی جیسے ان میں کوئی سمجھ میں نہ آنے والی خرابی پیدا ہو گئی ہو پھر صفا چائیک کے سامنے رگے رہنے کو مناسب نہ سمجھ کر کوٹھنچ کر چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور پھر دیکھا کہ عمارت کے کیاؤنڈ میں رگے والی گاڑی اس کے قریب ہی سے گزر گئی۔ ڈاکٹر داراب کی جگہ پر اس نے اور پھر وہ اُنہی چلتی ہوئی آگے اس کے قریب آگئی۔

آنکھوں میں بجلی سی چمک گئی۔ ڈرائیو کرنے والی نے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا تھا۔

”کیوں رو رہے ہو؟“

گڑوڑ تھی، سو فیصد گڑوڑ۔ وہی زندگی سے بھرپور آنکھیں، وہی دھمکا ہوا سا چہرہ، شوخی اور شہادت سے ہونٹوں کے گوشے تھرک رہے تھے۔

اس چائیک دریافت حال پر صدر گڑوڑ پڑا۔

”نہیں تو، میں تو نہیں رو رہا، وہ اتنا ڈانڈا نہیں بولا اور پھر نہیں پڑا۔“

”نہیں چلتی؟“

”پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟“ صدر نے اسکوٹرائٹ دیکھ کر مایوسانہ انداز میں ہاتھوں کو جنبش دی۔

”کیوں ضروری کام سے جارہے تھے؟“

”بالکل! بہت ضروری کام ہے۔“

”چلو تو سارے چلتی ہوں۔“ شریف آدمی نے

”لیکن یہ میرا اسکوٹر؟“

”اسے یہیں چھوڑ دو۔“

”یہاں اتنے شریف لوگ نہیں جیسے“

”اچھا تو اسے اس کیاؤنڈ میں دھکیل آؤ۔“

صدر نے بحث میں پڑنا نامناسب سمجھ کر بے چوں و چرا رہی کیا جو کہا گیا تھا۔

گڑوڑ نے اسے اپنے قریب ہی... نے کا اشارہ کیا۔

صدر نے دروازہ کھول کر بیٹھے تھے اس کا شکریہ ادا کیا۔

”میرے ہم وطن تم لوگوں کے لیے بڑی اپنائیت غصے کرتے ہیں۔ گڑوڑ نے غیر متزلزل ہونے کہا۔

گاڑی چل پڑی تھی۔

”کہاں جاؤ گے؟“

”بس ریسرچی اسٹریٹ کے چور ہے پرانا دینا۔“

”اور تمہیں وہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی؟“ سوال کیا گیا۔

”بب... بالکل۔“

”کیا بس اہم ہیں؟“

”پتا نہیں“ صدر نے ساوگی سے جواب دیا۔

”اسے اس کے عوض تمہیں بھی میرا کام کرنا پڑے گا!“

”جو کہ تمہیں اسکوٹروں میں پڑا رہنے دو گے۔“

”خدا کی پناہ!“ صدر اپنی پیشانی سہلاتا ہوا بڑبڑایا۔

”میں کتنا بے وقوف ہوں۔“

”کیوں؟ کیا ہوا؟“

”کیا آپ وہیں رہتی ہیں؟“

”نہیں! میرے ایک دوست کا مکان ہے۔“

”تب تو پھر عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں، ورنہ سچ اپنا اسکوٹروں سے نہ لے سوں گا کیونکہ وہاں اسے رکھنے کی جگہ نہیں دیکھا تھا۔“

”ہر حال عقل آگئی۔“ وہ ہنس پڑی۔

”صدر کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد گڑوڑ نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ عرض ہے۔ اس لیے دوسروں کو بھی خاموش رکھ دیتا ہوں۔“

”اور میں زیادہ تر خاموش رہتا ہوں۔ اس خوف سے کہ کوئی اتنا مذاق نہ بولے کہ میں سے نکل جائے۔“

”پتا نہیں تم لوگ اتنا سوچتے کیوں ہو یہاں کے لوگ؟“

”جہاں بھی مجھے دانش و دماغ ہونے لگے ہیں۔“

”نہیں! اتنے تو چھوٹے ہی رہے ہیں۔“

”کیا اس جگہ میں بھی کسی قسم کی ممنونیت پوشیدہ ہے؟“

”تم لوگوں کی باتوں پر بہت غور کرنا پڑتا ہے۔“

”یعنی ہماری وجہ سے تم بھی دانش ور ہو کر جا رہے ہو؟“

”وہ ہنس پڑی پھر لولی: ریسرچی اسٹریٹ کے چور ہے پر نہیں کتنی دیر لگے گی؟“

”صرف دس منٹ۔ ایک گھنٹہ کے اندر سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اس کے یہاں فون نہیں ہے ورنہ خود دروازے آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن براہ کرم تم نہ چلنا میرے ساتھ کیونکہ وہ گھنٹہ کے اندر میرے باپ کے گھر سے دوستوں میں سے ہے۔“

”میں سمجھ گئی۔“ گڑوڑ بڑبڑاتا ہوا لولی: تمہارے یہاں عورتوں اور مردوں کے مابین دوستی کو ابھی انھوں نے نہیں دیکھا جاتا۔“

”بالکل بالکل! یہی بات ہے۔ ایسے نوجوانوں کی شادیاں بڑی مشکل سے ہوتی ہیں جن کی شناسائی غیر عورتوں سے ہوتی ہے۔“

”اس کا تصور بھی تمہیں نہیں ہے۔ وہ پھر ہنس پڑی۔

”جہاں تو ایسے حالات ہیں ایک منٹ بھی زندہ نہ رہ سکتے۔“

”مجھ پر ہے؟“ صدر تھوڑی سانس لے کر بولا۔

”تو تمہاری بھی کوئی قول فریڈ نہیں؟“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ صدر کے لیے یہ مایوسی تھی

”مجھ سے دوستی کرو گے؟“

”لیکن میں نہیں اپنے گھر نہ لے جاسکوں گا! صدر کی آواز میں ہلا کا درو پیدا ہو گیا تھا۔

”خیر... ریسرچی اسٹریٹ کا چور با قریب ہے، جہاں کہو ٹھہر جائیں۔“

”بب... میں اس طرف پلارک کر دوں میں دس منٹ سے بھی کم وقت لوں گا۔“

”صدر گاڑی سے اتر کر گئے بڑھا اور تورا بے پرائش جانب ہل گیا۔ اسے گڑوڑ کی اس حرکت پر حیرت تھی۔ کیا وہ لوگ باخبر ہو گئے تھے کہ ان کی نگرانی کی جا رہی ہے؟

وہ کچھ دیر کے لیے ایک جنرل اسٹوریٹ گھسا۔ بلڈیل کا ایک پکٹ خرید کر اور کچھ دیر سڑک پر بیٹھ کر بدلتی بلڈیل کے بارے میں گفتگو کرتا رہا پھر اسکوٹر سے باہر

کا گرٹروڈ کی گاڑی کی طرف چل پڑا۔
 وہ انھیں جیسے سیٹ کی پشت گاہ سے جی ہوئی تھی۔
 "میرا کام ہو گیا" صفدر نے قریب پہنچ کر کہا۔
 وہ چونک کر مسکرائی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
 "بیٹھ جاؤ۔"
 صفدر نے دروازہ کھول کر بیٹھنے ہوئے دیکھا کہ وہ
 پھر اونگھنے لگی ہے۔
 "اب تم بتاؤ مجھے کہاں چلنا ہے؟ صفدر نے اونچی
 آواز میں پوچھا۔
 وہ پھر چونکی اور جوابی کے کر لونی۔ سب سے پہلے ایک
 کپ کافی پینا پندرہ گروں کی بست سی مسوس کر رہی ہوں۔
 "تو آؤ، وہ رہا کافی ہاؤس سامنے۔"
 "یہاں نہیں، رہا تو چلو اور باں... اور تم درانیو کرو۔"
 کہیں میں اونگھ نہ جاؤں۔
 "اور اگر مجھے درانیو نگ نہ آتی ہو تو؟"
 "چلو جو کس نہ کرو۔ وہ اسے دوسری طرف دھکیلتی
 ہوئی بولی۔
 صفدر گاڑی سے اتر کر اسٹیرنگ والے دروازے کی
 طرف آیا۔ گرٹروڈ اس کی جگہ کھسک آئی تھی۔
 صفدر نے پورن کے لوگاڑی کو پھر اسی راستے پر لگادیا
 جدھر سے کچھ دیر پہلے آئے تھے۔
 "کہاں چل رہے ہیں؟" گرٹروڈ نے خوابناک سی آواز
 میں پوچھا۔
 "خیرین اسکوڑ جہاں میں نے اپنا اسکوڑ چھوڑا ہے۔"
 "تم عجیب آدمی ہو۔ میں کہہ رہی ہوں کہ کافی کے لیے
 ہم ریا تو چلیں گے۔"
 "اور اگر وہاں میرے باپ کا کوئی دوست مل گیا تو؟"
 "کیا تمہارا باپ کوئی بیکار آدمی ہے؟"
 "کیا مطلب؟"
 "قدم قدم پر دوست کوئی یا کار آدمی اتنے دوست
 نہیں بنا سکتا۔"
 صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا آخر وہ چاہتی کیا ہے؟
 وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور کچھ دیر بعد وہ
 بالا خریا لٹونگ پہنچ کر گرٹروڈ انھیں بند کیے سیٹ کی
 پشت گاہ سے ٹکی ہوئی تھی۔ صفدر نے بلند آواز میں ریا لٹو

نیک پہنچنے کا اعلان کیا۔
 "کیا کوئی مل گیا؟" وہ چونک کر بولی۔
 "کون؟"
 "تمہارے باپ کا کوئی دوست؟"
 "تم میرا ہتھکڑیوں اٹا رہی ہو۔" صفدر نے چڑچڑے
 پن کا مظاہرہ کیا۔
 "صبر... صبر... وہ اس کا شمار چکی ہوئی بولی۔ "جلو اترو۔"
 یہاں نہیں شراب بھی مل سکے گی اور تمہارا بیڑا چلن دور ہو
 جائے گا۔"
 "میں شراب نہیں پیتا۔"
 "اب بیٹھنے لگے، جلو اترو۔"
 صفدر گاڑی سے اتر گیا۔ گرٹروڈ بھی اتری۔ دونوں
 ڈانٹنگ ہال میں آئے۔ کئی مہینے میں جانی تھیں۔ گرٹروڈ نے
 ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا۔ صفدر اسی جانب بڑھتا چلا گیا۔
 یہ میز دوسری آبادیوں سے دور تھی۔
 "اب بتاؤ، کون سی پیتے ہو؟" گرٹروڈ طبیعتی ہوئی بولی۔
 "یہ حقیقت ہے کہ میں نہیں پیتا۔"
 "کبھی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے؟"
 "نہیں۔ جب مجھے ایک چیز کا تجربہ ہی نہیں ہے تو اس کی
 ضرورت کیوں محسوس ہونے لگی۔"
 "بڑی عجیب بات ہے۔" بیڑہ بھی نہیں چلی گی؟"
 "اتفاق سے ہر لوگ اس کا شمار بھی منشیات میں کرتا ہے۔"
 "فرشتے بہت لوگ تو؟" وہ چل کر بولی۔
 "ہاں تو کم کافی بیٹھ گئے۔"
 "ایسی باتوں پر تمہارا خون پینے کو ہی چاہتا ہے۔"
 یہی مسلمات... میں اس وجہ سے تکلفی ہے۔
 "نہیں۔" صفدر نے شک بیٹھے کہا۔
 "ہاں... ہاں تو شہنشاہ ہیل سلاسی کے بیٹے ہیں۔"
 "میں اٹھ جاؤں گا۔"
 "اس طرح اپنے اسکوڑ سے بھی بات نہ دو۔ بیٹھ گئے۔"
 "آخر تم چاہتی کیا ہو؟"
 "میں تکلفی۔"
 "لغت سے بھیر اگر اب کسی لڑکی کو منہ لگاؤں۔"
 "مجھے حیرت ہے کہ تمہارے گھر والوں نے تمہیں لگا
 کے بغیر گھر سے باہر کیسے نکلنے دیا؟"

عدا ہوتی ہے تو میں کی؟ صفدر پیر شیخ کر بولا۔
 "نہ تو اسے انداز میں ہنس پڑی۔"
 "سچ ہے بڑے عرصہ درحکوم ہوتے ہوئے اس بار اس
 نے لگاؤ کے انداز میں کہا۔
 "بس تم مجھے اپنا کام بتاؤ۔ میں نے وعدہ کیا تھا۔"
 "بتا دوں گی، پہلے کافی تو پیو۔"
 صفدر غصیلہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔
 گرٹروڈ نے ڈیر کا اشارہ سے بلا کر کافی کے لیے کہا
 اور پھر صفدر کی طرف متوجہ ہو گئی جو اس کی طرف نہیں دیکھ
 رہا تھا۔
 "تم کرتے کیا ہو؟" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
 "سب کچھ ایک ہی بار لو پھر لو۔" سرانام صفدر سید
 ہے۔ تھیں مکمل کر چکا ہوں۔ فی الحال بیکار ہوں۔ شادی
 بھی ابھی نہیں ہوئی۔
 "کہانی تو نہیں آتی؟" گرٹروڈ نے توشلیں آمیز لہجے
 میں پوچھا۔
 "کیا مطلب؟"
 "گرٹروڈ زور سے ہنس پڑی اور صفدر پھر پوچھنے لگا۔
 اتنے میں ویٹرنے کافی میز پر لگا دی۔
 صفدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس پتھر میں بیٹھیں
 گاہے۔ کیا وہ اس کی ذات سے واقف ہے؟ کیا اب
 ہون کے بعد خود اس کی باری ہے۔ ہو سکتا ہے ان
 لوگوں نے بھی اسے عمران کے فلیٹ میں داخل ہوتے
 دیکھا ہو۔ ان دنوں جب عمران پر پہلا حملہ ہوا تھا وہ اس
 آبادی کے لیے جاتا رہا تھا۔
 "کتنی شکر پیتے ہو؟" وقت گرٹروڈ نے پوچھا۔
 "پورا شوگر باٹ الٹ دو۔" صفدر بڑبڑایا۔ اتنی گلیوں
 دو چار ہونے کے بعد ایک آدھ چمچے سے کام نہیں
 لے سکتا۔
 "اسے تم آدمی ہو یا زہری کی بوتل، موڈ خشک ہی نہیں
 رہا اس طرح... کیا مجھے سے زیادہ خوبصورت لڑکی کی امید
 ہے؟"
 "میں کہتا ہوں مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ امریکہ
 کے ہے۔"
 "پہلے کافی پیو ورنہ... گرٹروڈ نے غصیلہ آواز میں کہا،

اور کافی کا پیالہ اس کی طرف کھسکا دیا۔
 "آج بتا نہیں کس گاہ کی سڑال رہی ہے۔" صفدر
 کافی کے کپ کو گھومتا ہوا بڑبڑایا۔
 "اب خاموش رہو ورنہ مجھے غصہ آگیا تو..."
 صفدر نے اسے گھور کر دیکھا اور زیر لب کچھ بڑبڑا
 کر کافی پینے لگا۔ اب وہ گرٹروڈ کی طرف نہیں دیکھ رہا
 تھا لیکن گرٹروڈ اسے غیرانہ نظر دل سے گھورے جا رہی
 تھی۔ کافی تھوکر کے صفدر نے سگریٹ سلگانی۔
 "ایک گلی بھی دے دو۔ گرٹروڈ نے کہا۔
 صفدر نے سگریٹ اور لائٹر اس کی طرف کھسکا دیے۔
 "تم کیسے دھنکی ہو۔" سگریٹ مجھے دو لائٹر اپنے پاس
 رکھو اور منتظر رہو کہ میں سگریٹ اپنے ہونٹوں میں دباؤں
 اور پھر تم اسے لائٹر دکھاؤ۔"
 "ہمارے یہاں خواتین سگریٹ نہیں بدلتیں اس لیے
 ان سے متعلق کشیدگی اختلافات کا مجھے علم نہیں۔"
 "تمہارے یہاں تو سب گھاس کھاتے ہیں۔"
 "بدلتیری نہیں؟" صفدر نے ہنسنے پھلنے۔
 "بد مزاج مرغیوں کی طرح پھول کیوں رہے ہو؟"
 "جہنم میں گیا اسکوڑ بھی؟" صفدر غصہ اٹھا کر ایکس
 گرٹروڈ نے غصیت کو اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 "ارے... ارے..." صفدر نے نروس ہو جانے
 کی اداکاری شروع کر دی۔
 "بیٹھو، ورنہ یہاں بیٹھے بھرتے لوگوں کو ہماری طرف
 متوجہ ہونا پڑے گا۔" گرٹروڈ نے دھمکی دی اور صفدر بیٹھ کر
 اپنی پیشانی کو دیوال سے تھکیا دیے لگا۔
 گرٹروڈ اسی طرح ہنس رہی تھی جیسے اس کی بے بسی
 سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔ پھر ایک بیک وہ سیدھ ہو گئی
 اور بولی۔ میں اب تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ تم بہت
 بھولے آدمی ہو۔
 اس صفدر نے غصے میں بھولا پن بھی شامل کر لیا۔
 "مجھے تم سب بہت اچھے لگتے ہو۔ گرٹروڈ کو جی رہی۔
 "مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ بہت سے مقامی لوگ میرے
 دوست ہیں۔ ان میں زیادہ تر لوگ غریب آدمی ہیں۔ اس
 وقت میں دراصل ایسے ہی ایک غریب دوست کے سلسلے
 میں تم سے مدد لینا چاہتی ہوں۔ کریم پورہ کے اختتام پر

جھوٹے نیک ہیں وہ انھی میں سے ایک میں رہتا ہے۔ میں
بذات خود وہاں اس سے نہیں ملتا جاہلیت، خواہ مخواہ سیکھ لیں
بٹے کا تم میرا ایک خط اس تک پہنچا دو
کہا کرتا ہوں اس سے وہاں ملنے میں اپنی توہین محسوس
کرتی رہو۔“

کیا مطلب؟
 "میں زندگی برباد کر دوں گی تمہاری۔"
 چلو آؤ، میرا دم ٹھٹ رہا ہے۔ اگر اس کام کا وعدہ
 کیا کریں تو مجھے کاش۔"
 گڑبڑوں اور ویش سے بچنے کو کہا۔ صفدر اپنا پرس
 لٹکانے لگا۔

”محبوبو! گھر ٹوڑنے سے اس کا زندگی اور وہ مرگ کر پڑا۔
جو ہاتھ اس کا کر لیا۔“ تمہیں یہ خط فاطمہ کی ہے اس کے حوالے
پر ہے۔ اسے بتانا چننا ضروری نہیں کہ تم کون ہو اور
نہیں کہ جسے بھیجا ہے۔
مصدقہ نے بڑا سائنہ بنا کر سر کو جنبش دی اور پچھلے
بگے بڑھ گیا۔

اور کچھ ایک اس عمارت سے کوئی باہر نہیں نکلا۔ بس وہ لڑکی
آئی تھی۔ مصلو کا سکڑا ہوا بھیا عمارت کے کچھ اور بندیں مڑ رہے تھے۔
”نگرانی جاری رکھو۔ اور ایندازاً۔“
عمران نے گفتگو ختم کر دی۔

”یہاں کا پڑا تاقوں سے جناب کا گراماں کے پاس
آفس میں کوئی موجود ہو تو کسی کی آمد کی اطلاع بھی دیں نہ
پہنچانی جائے۔“

”نہیں نہیں بیٹھ کر انتظار کروں گا۔“ عمران نے ٹھنڈی
سانس لے کر کہا۔ اتنے میں کتوں نے چہرہ بے اختیار کر دیا۔
”کیا انہیں کوئی گھر اصرار پہنچا ہے؟“ عمران نے

بڑی سنجیدگی سے ناش منتظم کو مخاطب کیا۔
ناش منتظم پہلے تو ہنسنا لیا لیکن عمران کے چہرے پر گہری
تشویش کے آثار دیکھ کر ایک بیک خود بھی سنجیدہ ہو گیا۔
”پتا نہیں جناب؟ اس نے سارا انداز میں سر ہلا کر کہا۔
”معلوم کرو۔“

”جناب... جناب، کیا آپ بھی مسٹر بارو سے رجحند
کی طرح... اس نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا لیکن اس کے
لبے میں احتجاج تھا۔

”ہاں ہاں! میں بھی اسی کی طرح بہت بڑا نشوونما
”معاف فرمائیے گا، میں کتوں کا مزاج دان نہیں ہوں۔“
”آپ کو پتا چاہیے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کو بھی بال بچے

دار ہونا ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”میری بات کا مطلب نہیں سمجھ یا میرا۔“

”میں بے حد ریشیاں ہوں جناب۔ آپ کی خوش مزاجی
سے محظوظ نہیں ہو سکتا۔“

”سالانہ یہ حقیقت نہیں ہے۔ آپ کو وہم ہے کہ آپ
پریشان ہیں۔“

”کیا آپ مجھے خاموش رہنے کی اجازت دیں گے؟“

”ایسی صورت میں قطعی، لیکن بے جیب کہ قریب ہی نہیں
گئے رہ سکتے ہیں۔“

”دفتر قدموں کی چاپ سنائی دی اور مورلی کے آفس سے
بارو سے پہنچا ہوا۔ وہ سچے نشے میں معلوم ہوتا تھا۔ قدم

زور سے اڑ رہے تھے۔ مورلی کی سی گتے میں بھری ہوئی آفس سے
نکل گئی۔

جیسے ہی رجحند کتوں کے قریب پہنچا انھوں نے پھر
رونا شروع کر دیا۔ دفتر رجحند مورلی کی طرف مڑ کر بولا۔ میں

ہا نہیں پتا ہوں۔ میرے ساتھ یہی پیتے ہیں۔ میں خود غرض
اس ہوں نہیں۔“

”پس غیرت اسی میں ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میں
پولیس کو فون کر دوں گی۔“

”پولیس کیا بگاڑ لے گی میرا؟ اسے بھی بلاؤں گا۔ رجحند
جھوٹا ہوا بولا اور ایک لمبا جھنگ خنجر ہٹا کر یک دم خاموش

ہو گیا۔

اب وہ عمران کو گھور رہا تھا۔ دفتر اس نے ناش منتظم
سے کہا: اس مشرین آدمی کو بھی بلاؤ۔“

”ضرور۔“ ضرور عمران سر ہلا کر بولا: ”ورنہ تمہاری قبر
پر کون روئے گا؟ کتے تو زندگی کے ہی ساتھی ہوتے ہیں۔“

”مشریک پلیز۔“ مورلی نے سخت آئینہ لبے میں کہا۔
”اس کے منہ نہ لگو یہ جو شخص میں نہیں ہے۔“

”اس پر طنز یہ کہ کتوں کو بلاؤ کیسے؟“ عمران سنجیدگی سے
بولا: ”کتنا اچھا ہوا اگر تم اس وقت اس پولیس آفیسر کو یہاں بلا

لو۔ کیا نام تھا، کیپٹن فیاض... ہاں... ہاں۔“

”میں میں بات بڑھا نا نہیں چاہتی۔“

”بارو سے رجحند اتنی دیر میں خود بھی کتوں کی صف میں
اکڑوں بیٹھ چکا تھا۔

”خدا کی پناہ! عمران اپنا سر سہلانا ہوا بولا: ”کیا اب
یہ بھی رو کر دکھائے گا۔ میں نے کتوں اور آدمیوں کو ایک ساتھ

بہوئے تو دیکھا ہے لیکن روئے نہیں دیکھا۔“

”اسے جہنم میں جھونک، میرے ساتھ آؤ۔ وہ آفس کی
طرف مڑتی ہوئی بولی۔ عمران بھی اس کے پیچھے چلا لیکن اس نے

کو رجحند اور اس کے کتوں کو دیکھتا رہا۔

”سچ سچ اس میں رجحند بھی آواز شامل تھی۔“

”خدا کے لیے دروازہ بند کرو مشریک۔“ مورلی نے

دفتر میں داخل ہو کر کہا۔

”کیا میں اسے دھکے دے کر باہر نکال دوں؟“ عمران

نے پوچھا۔

”نہیں میں کسی قسم کا بھی مہکامہ پسند نہیں کرتی۔“

”تو پھر وہ سب پتا نہیں کب تک روتے رہیں گے؟“

”جہنم میں جائیں تم بیٹھو۔“

”اس کی عمر شپ کیوں نہیں ختم کرو تیس؟“

”میں نے جانتا تھا کہ ایسا کروں لیکن اس نے

”میں خود نہیں یوں مجھے اس سے باز رکھا۔“

”ہوں... تو وہ برابر آ رہا ہے۔“

”مہر شپ پانچویں سے کئی گھنٹے پہاں گزرتا ہے۔“

”روپیہ مل ان ساتوں کی مہر شپ ختم ہو جانے کے بعد سے
یہاں آیا تھا یا نہیں؟“

”میرا خیال ہے کہ اس واقعے کے بعد سے ابھی تک نہیں آیا۔
ختم کو ان باتوں کو میں تنگ آگئی ہوں۔ سیزاری اس قدر بڑھ

گئی ہے کہ کچھ دنوں کے لیے شہر ہی سے باہر چلی جانا پڑتی ہوں۔“

”خیال اچھا ہے۔“

”تم چلو گے میرے ساتھ؟“

”ہم... میں...“

”ہاں... تم۔ پتا نہیں کیوں میں تمہاری موجودگی میں بڑا سکون
محسوس کرتی ہوں۔“

”عمران نے طویل سانس لی اور پھٹ کی طرف دیکھنے لگا۔
”بارو سے اس وقت کیوں آیا تھا؟“ اس نے کچھ دیر پوچھا۔

”اس کا خیال ہے کہ میں اسے پسند کرنے لگی ہوں۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”وہ کچھ کہنے کی والی تھی کوئی باہر سے دروازہ کھلے لگا۔
”یہی جھنڈا آگئی۔ بولت ہو کر دروازہ کھولا اور عمران نے اس کے

”اب منتظر کی آواز سنی۔“

”ہاں... مادام، وہ اپنے سارے کپڑے اتار کر بے پوش
ہو گیا ہے۔“

”اوہ!“

”کیا بالکل تنگ ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں جناب بالکل۔“

”اچھا تو مس فراہم! اب تم اس جلتے کے پولیس اسٹیشن کو
”کہہ دو۔“

”یقیناً کروں گی۔“ وہ جھٹلا کر مڑی اور میر پر گئی ہوئی ٹیٹن
”ایسی اتنی ہوئی ناش منتظم سے بولی۔ تم ضرور اسے پوچھ دو

”کیا اندر آئے دو۔ اس کے کتے کی وجہ سے کلب
”ساتھ تیار ہو رہی ہے۔“

”وہ ٹیٹن فون ڈائریکٹری میں جلتے کے تھلنے کے غیر تلاش
”کہہ دو۔“

”وہ آؤنگ ہاں میں چلا آیا۔ بارو سے رجحند سچ تنگ

”دھڑکنگ بڑھا تھا اور کتے اس کے گرد حلقہ کیے بیٹھے تھے۔
”اب سے مقام روئے کا اور ان نالائقوں سے بچنا سادہ ہے۔“

”عمران ناش منتظم کو متوجہ کر کے بولا: اس پر کوئی چادر وادر ڈال
دو اور صدر دروازے کو تو معطل کر دو۔“

”ناش منتظم کو کھانے ہوئے انداز میں اس کی چاریٹ پر چل
کر رہا تھا۔ کتے اب سچے بالکل خاموش ہو گئے تھے۔

”عمران سوچ رہا تھا کہ شاید فیاض نے رجحند کی طرف سے توجہ
پیش کی ہے۔ ہونا بھی یہی چاہیے۔ ڈاکٹر داراب کی کوٹھی و لادھکا کا

”تو اس کی بری کی جاگتی کی طرف سے بھی توجہ ہٹا دیتا۔“

”اتفاق سے وہاں مرنے والوں کے چہرے قابل شناخت
تھے اس لیے حکمران سرائی کو جلد ہی ان کی شخصیتوں کا علم ہو

جائے گا اور وہ بھی کسی اہم بریکٹ ہی سے مشتق ثابت ہوں
گے۔ ان تینوں کی موت اور ٹیٹن ڈیوٹی گشت کی گتے میں شہر میں

”افسوس کا باعث بنے گی۔“

”توجہ ہے کہ فیاض ابھی تک ان لاشوں کی تصاویر کی
شناخت کے لیے نہیں آیا۔ آیا ہوتا تو مورلی ضرور تذکرہ کرتی۔“

”ناش نام و دروازہ بولٹ کر کے پٹا بھی تھا کہ کسی نے گھنٹی
بجائی۔ ناش منتظم و انت پٹیتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

”ٹھہرو! عمران ہاتھ اٹھا کر ہست سے بولا۔ وہ رک گیا۔
”عمران آگے بڑھ کر قتل کے سوراخ سے باہر نکلتے لگا۔ کوئی قریب

”ہی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ نظر آ رہے تھے اور وہ ہاتھ ان مخصوص
قسم کی انجینئری عیت کیپٹن فیاض کے علاوہ اور کسی کے نہیں

”ہو سکتے تھے۔ خیال آئے ہی ٹپک پٹا۔ عمران نے سوچا اور تیزی
سے دفعتی طرف بڑھتا ہوا بولا: ”میں مس فراہم سے پوچھا آؤں،

”بہت شکریہ جناب! ناش نام بڑھ گیا۔“

”گھنٹی پھر بھی اور اس بار وقفہ پہلے سے طویل تھا۔“

”مورلی فون کا ریسورس تھا جی جی۔ عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
”ٹھہرو وہ خود ہی آگیا ہے۔ میں نے دروازے کا بولٹ گرا دیا تھا۔“

”کون آگیا ہے؟“

”کیپٹن فیاض۔“

”اوہ!“ مورلی نے ریسورس رکھ دیا اور بولی: ”اب میں کیسا
کرنا چاہیے؟“

”ادھر کیسا ہے؟“ عمران نے ایک دروازے کی جانب اشارہ
کر کے پوچھا۔

”ریشیا ٹنگ روم۔“

”میں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا اگر میں فیاض کی موجودگی میں دلیل پیش کروں؟“

”نہیں... کیوں؟“

”میں نہیں اپنے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔“

”ابھی بات ہے جاؤ لیکن میں...“

”تم بال میں جا سکتی ہو۔ میں نے اس پر چادر ڈالوا دی ہے۔“

موریلی نے آگے بڑھ کر اس کے لیے بیٹا کرنگ دم کا دروازہ کھولا اور خود بال میں جانے کے لیے غصے سے نکل پڑا۔

عمران نے اندر بچ کر دروازہ بند کر دیا اور کسی کھینچ کھر دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ فیاض کے سامنے نہیں آنا، چاہتا تھا کیونکہ وہ مورلی سے اس کے بارے میں ضرور استفسار کرتا اور اس کے جوابات جو غیر شفیق ہوتے اسے شہادت میں مبتلا کر دیتے۔ کچھ دیر بعد اس نے آفس میں فیاض کی آواز سنی۔

”میں ملنے کے تھانے کے انچارج کو فون کیے دیتا ہوں۔“

وہ کہہ رہا تھا۔ آخر آپ اتنی سراسیمہ کیوں ہیں۔ اگر اسے سوالات میں ہوش آیا تو پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرے گا۔

”میری تو سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟“

”فکر نہ کیجئے، بیٹھ جلیجئے۔ فیاض نے کہا ساتھ ہی فون پر خبر ڈالنے کے لیے آؤ اگر وہ اور وہ متعلقہ تھانے کے انچارج کو اس پر دست خرابی کے بارے میں احکامات دیتا رہا جو فریڈ زلے براؤ کلب میں ہے پوئش پڑا تھا۔

میلی فون کا سلسلہ منقطع ہونے پر سموڑی ہی دیر بعد فیاض کی آواز پھر سنائی دی۔

”ارے آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔ یہ ایسی کوئی اہم بات تو نہیں۔ کچھ دنوں کے لیے آپ کو اس سے اور اس کے کتوں سے نجات مل جائے گی لیکن اس بنا پر اس کی عمر شپ ختم نہ ہو جائے گی۔“

”آخر آپ اس کی عمر شپ برقرار رکھنے پر کیوں مصر ہیں؟“

موریلی کی آواز آئی۔

”یوں ہی بس۔ کسی وجہ سے میرا حکم اس آدمی میں لچپی لے رہا ہے۔“

”اوہ۔“

”ہاں دیکھئے میں اس وقت ایک کام سے آیا ہوں۔ ذرا یہ تصویریں دیکھئے۔ کیا بال ان میں سے کسی کی شناخت کر سکتی ہیں؟“

عمران ٹیبل سائٹس کے کمرے چلے گئے۔ دوسرے کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ سموڑی دیر بعد موریلی کی کپکپاتی ہوئی آواز

سنائی دی۔

”وہ دونوں! میں انھیں پہچانتی ہوں۔ سوئٹ کو کبھی نہیں دیکھا لیکن یہ کیسی تصویریں ہیں؟ انھیں کیا ہوا؟“

”اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو یہ دونوں انھی آٹھوں میں سے ہیں۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔ یہ وہی رسل ہے۔ ۱۰۰۰ اور یہ فنرنگ چارلس۔“

”نوٹیل ڈیوڈ کے علاوہ جن سات آدمیوں نے کلب میں میری ترک کی تھی ان میں ان کی کیا پولیٹیشن تھی؟“

”میں نے اس پر بھی غور نہیں کیا۔ یہ آٹھوں عموماً ساتھ ہی بیٹھا کرتے تھے۔ اسی بنا پر ان کے سامنے میں ایک گروپ کا ہی تصور قائم ہوتا تھا۔“

”قدرتی بات ہے۔“

”ان تصویروں کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا۔ دونوں ہی کی آنکھیں بند ہیں۔“

”یہ دونوں مرچکے ہیں۔“

”خدا کی پناہ۔“

”شہر میں پچھلی رات جو دمکا ہوا تھا اس سے ان کا بھی تعلق ہو سکتا ہے۔ یہ اسی مہارت میں تھے؟“

”ہاں... لیکن۔“

”پتا نہیں کیا چکر ہے؟ اوہ! دیکھئے شاید تھانے کا انچارج آگیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔“

پھر عمران نے قدموں کی چاپ مٹی۔ شاید فیاض دروازہ کھول کر بال میں گیا تھا۔ اس نے قفل کے سوراخ سے آفس میں جا کر موریلی تہہ پہنچی تھی اور اس کے کمرے پر گہری تشویش کے آثار اور وہ بیٹا کرنگ دم کے بند دروازے کی طرف دیکھ جا رہا تھا۔

”قدرت فیاض پھر زندہ رہا۔“

”لیکن ان کتوں کے لیے کیا کیا جائے؟“ اس نے نہ ہاتھ اٹھایا۔

”پہلے میں کہنا۔“

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ موریلی ہنسنے لگی۔“

”واقعی یہ کیا حواقت ہے؟“ فیاض نے جین ہارٹس کے ساتھ کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر لولا انھیں ملنے کے لیے دیا۔

”میں نہیں سمجھتی کہ آخر یہ بارے میں پوچھنے کے لیے کیا غور کیا کا ایک بہت بڑا سرمایہ دار ہے۔“

کے مکانات کا جائزہ لینے آیا ہے۔“

”کتوں کی افزائش کا کوئی ادارہ قائم کرنا چاہتا ہے؟ موریلی نے ہنس کر پوچھا۔“

”خدا جانے۔“

”کیا آپ کو اس کی دیکھ بھال کے لیے سرکاری طور پر ہدایت ملی ہے؟“

”نہیں... اچھا ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ لو وہ بات بھر ذہن سے نکل گئی۔ کوئی قدری بات تھی۔“

”خیر... خیر... میں کوئی ایسی بات نہیں پوچھوں گی جس کا جواب آپ دینا پسند نہ کریں۔“

”کیا پوچھتا تھا آپ نے؟“

”کچھ نہیں۔ ختم کیجئے، میں بہت پریشان ہوں۔ آپ کیا نہیں گئے؟“

”شکریہ، اس وقت نہیں، پھر ہی، اب میں بھی جاؤں گا۔“

”کیا وہ اسے اٹھائے گئے؟“

”جی ہاں! لیکن کتنے حیرت میں انھیں بھی سہرا سے لاکھیا تھا۔“

”کہا ہوں۔“

”دلیپ نے حقیقت ہے فیاض فوری طور پر انھیں دہاں سے لمانے کا انتظام نہ کر سکا۔ وہ دو گیس بیٹھے تھے۔ اس وقت بھی اپنی گت سے نہ بے جہان کے ہاتھ کو دہاں سے اٹھا کر پولیس کی دھمکیاں پہنچا جا رہا تھا۔“

”تھیں پر ہاتھ ڈالے جاتے تو وہ اس پر غصے سے جیسے چار کھینچیں گے۔“

”فیاض سموڑی دیر تک کہہ رہا تھا پھر دوسروں کو کہہ رہا تھا۔“

”عمران چارنگ دم سے باہر آیا۔“

”موریلی دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی تھی۔ عمران کی طرف مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔“

”اب دیکھو! اس نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔“

”موریلی نے کتوں کو لٹائے ہی نہیں یہاں سے۔ بارے میں پوچھنے سے انکار لال لال نہیں تھا۔“

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ موریلی ہنسنے لگی۔“

”واقعی یہ کیا حواقت ہے؟“ فیاض نے جین ہارٹس کے ساتھ کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر لولا انھیں ملنے کے لیے دیا۔

”میں نہیں سمجھتی کہ آخر یہ بارے میں پوچھنے کے لیے کیا غور کیا کا ایک بہت بڑا سرمایہ دار ہے۔“

”جب تک ان کا نشہ نہ اتر جائے یہ نہیں سیکس گے اپنی جگہ سے! بہترین قسم کے ٹریڈنگ گئے ہیں۔ مالک سے جو حکم مل چکا ہے اس پر اترے رہیں گے۔“

”پھر میں کیا کروں؟“

”میرا خیال ہے کہ انھیں اور پلاٹی جلانے۔“

”کیا مطلب؟“

”آہنی زیادہ کردہ مالک کا حکم قطعی فراہم کر دیں۔“

”اور پھر جھوٹا شروع کر دیں ہم سب کو۔ وہ ہراساں نہ بنا کر لوی۔“

”اب یہ ان کی لائق کی بات ہے۔“

”نہیں کچھ اور سوچو۔ سموڑی دیر بعد سے لوگوں کی آمد شروع ہو جانے لگی۔“

”اب مجھے ایک مضمون لکھنا پڑے گا۔ مثل اسٹ سے کتوں کی ناز برداری تک۔“

”مشریگ پلین کچھ سوچو۔“

”اگر مجھے اسپتال تک پہنچانے کا قدرہ تو کتوں کا ڈنڈا۔“

اس کے علاوہ کوئی چاہ نہیں یا پھر کسی کی ٹھیک قوم بلا لاؤں۔“

”جو انھیں یہ سمجھانے کی کوشش کرے کہ اس کو شراب پینا ہی بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر جی بھی تو اس کا خیال رکھا ہوتا تو وہ حقیقت کتنے ہو۔ پی کر آدمیوں کی سی حرکتیں نہ کر دے۔“

”مشریگ!“

”میں کیا کر سکتا ہوں، جب مجھے شراب پی کر آدمیت کی حدود میں داخل ہونے کی کوشش کرنی ہے؟“

”دفعہ ۱۱ میں ہے کہ اس قسم کا سموڑ سنائی دیا کہ وہ اپنی گنگو جاری نہ کرے۔“

”ہاں! اسے اٹھ کر بال میں آنا پڑا۔“

”پولیس والے کہیں اسے ایک بڑا سا بال اٹھالائے تھے اور اسے کتوں پر پھینک کر انھیں ہراساں کیا تھا اور پھر جب وہ اس حال کو سمجھتے ہوئے باہر جانے کی کوشش کر رہے تھے کتوں نے ہونکا اور غرانا شروع کر دیا تھا۔“

”کان ٹری آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ عمران نے سر ہلا کر کہا۔“

”آدمی ہر حال آدمی ہے۔“

”کافی دیر بعد وہ لوگ ان کتوں کو باہر نکال کے۔ وہ سب آپس میں گڈمڈ ہو گئے تھے لہذا بال دروازے میں چھس کر رہ گیا تھا۔“

”وقت تمام دروازے سے انھیں گزرا جاسکا۔“

”خدا یا شک ہے تیرا۔“ موریلی ٹیبل سائٹس کے کمرے میں عمران

93

کا ہاتھ پکڑ کر اسے آفس کی طرف کھینچتے ہوئے کہا: آؤ اس مصیبت سے تو نجات ملی لیکن ایک دوسری بڑی خبر ہے اور وہ بڑی خبر یہی تھی کہ پچھلے رات کے دھماکے کا شکار ہونے والوں میں دو آدمی نوشیمل ڈیوڈ کے ساتھی تھے۔ عمران بیٹ کے اظہار کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔

”کیپٹن فیاض اللہ کی تصاویر شناخت کے لیے لایا تھا بلوریل نے کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔

مودی نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہا: میں کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر جانا چاہتی ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ چل سکو گے مشٹر بیگ؟

”کیپٹن فیاض نہیں کہیں نہ جانے دے گا؟“

”کیوں؟“

”اگر تم یہاں نہ ہوتیں تو وہ ان تصاویر کی شناخت کس سے کراتا۔ اچھی مزید سچے آدمیوں کا مسئلہ باقی ہے۔“

”اگر وہ تو کیا میں اس کی پابند ہو کر بیٹھوں گی؟“

”ہو نہ ہو چلے گا۔ ہو سکتا ہے شام تک نہیں سرکاری طور پر نوٹس مل جائے کہ تم پولیس کے علم میں لائے بغیر شہر کو نہیں چھوڑ سکتی۔“

”پھر میں کیا کروں۔ یہاں تو پاگل ہو جاؤں گی۔“

”خدا کے لیے مجھے خوف زدہ نہ کرو۔ عمران گھٹکیا۔“

”کیوں؟“ وہ ہنس پڑی۔

”عورتیں ویسے ہی کیا کر ہوتی ہیں... پھر اگر بگل بھی ہو جائیں۔“

”نہیں تو آپ عورتوں کے بارے میں ابھی رائے نہیں رکھتے۔“

”رکھتا ہوں... عمران جلدی سے بولا: صرف ان عورتوں کے بارے میں جو میرے دیکھ دو کو کچھ کیس؟

”کہا ہے تمہارا دیکھ دو؟“

”جی نہیں، عورت نے مجھے سے حقیقت نہیں کی۔“

”زبردستی کوئی؟“ مودی نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

”کیوں نہیں۔ ہر عورت کا فرض ہے کہ کچھ جیسے دھبی لوگوں کی تلاش میں ہے۔“

”کیوں جو اس کر رہے ہو۔ جیسا کہ کیا پڑی ہے۔“

”سوئڈن کی عورت بھی ایسی ہی نکلی۔ عمران نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب؟ تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟“

”ایک رحم دل خاتون نکلتا تھا۔“

”سہوں... کھینچتے تھے... لیکن...“

”ابھی تک کوئی تم کی رحم دل خاتون نہیں ہوئی۔“

”تم کیا چاہتے ہو؟“

”یہی کہ اپنے آپ پر رحم کرو۔“

”صاف صاف کہو۔ اس وقت میں ذہن پر مزید زور دینے کے لیے تیار نہیں۔“

”کچھ دنوں کے لیے کلب کو قطعی طور پر بند کرو۔“

”کیوں؟“

”میں نہیں کہہ سکتا کہ یہاں ابھی اور کتنے ہیں جن کی ضرورت پولیس کو ہوگی۔“

”لیکن میں تو نہیں جانتی کہ پولیس کو ان کی ضرورت کیوں ہو سکتی ہے۔ کلب کے قواعد و ضوابط میں تو بھی ان کی پابندی کر کے کلب کا مہر ہو سکتا ہے۔ میں اس کی اہمیت کے بارے میں چھان بین کرنے کی اہمیت تو نہیں رکھتی۔“

”تم جانو؟ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”نہیں نہیں۔ تم نے بات مٹی ہے کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔“

”نہیں تو۔“

”پھر دنیا کی ہر عورت پر اپنا حق کیوں جتا رہے تھے۔“

”اس لیے کہ ایک عورت ہی سے جتا گیا ہوں۔“

”پھر فلسفیوں کی سی باتیں کرنے لگے۔“

”دیکھیں یہی سب سے ساتھ لگی ہوئی ہے اور اللہ کی ہی سے میرے۔“

”جہانات کو ٹھیک کرنے پر تلے رہے ہیں۔“

”میں ابھی تک نہیں نہیں سمجھ سکتی۔“

”خدا کا کوئی فلسفیوں کا قول ہے کہ عورت کو کھینچتا ہر مسئلہ ہے۔“

”سیدھی سادی باتیں کرو۔ ورنہ چلے جاؤ۔“

”فلسفیوں کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔“

”مندانہ لہجے میں بولا۔

”مجھے بہت جلد غصہ آ جاتا ہے مجھے۔“

”عمران نے اذیت میں سر ہلکرا کر اسے بلانے کی بات کی اور میں قطعی بھول جاتی ہوں کہ غلطی کون کی؟“

”عورت ہی غلط ہے۔“

”خاموش رہو۔“

”اب چلتا جا بیٹھے ورنہ اگر میرے سامنے آکر...“

”تو میں کیا کروں گا؟“

”وہ اچھا گورڈر وائز ہے کہ طرف بڑھتا ہوا بولا۔“

”مقبور... مقبور...“

”ناٹا! عمران ہاتھ دبا کر آفس سے باہر نکل آیا۔“

”کیپٹن خاور نے نریش کی گرانی شروع کر دی تھی۔ سر شام وہ اپنی جھوپٹری سے نکلا۔ اس کے جسم پر ایک ٹکڑے نہیں اور ہونڈی ملی سی پٹنوں تھی۔ کریم پور کے بس اسٹاپ پر پہنچ کر وہ کسی خاص روت کی بس کا انتظار کرنے لگا۔“

”کیپٹن خاور اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے اسے ایک بس پر سوار ہوتے دیکھا۔ وہ بھی اس کے بعد ہی اس بس پر پہنچا تھا۔ یہ سفر زیادہ لمبا ثابت نہ ہوا۔ وہ گرین اسکوٹر کے پہلے بس اسٹاپ پر اتر گیا۔ خاور بھی اتر۔ نریش اب پھر پیدل ہی چل رہا تھا۔ بالآخر وہ اسی عمارت کے پھاٹک تک آپہنچا جس کے کپاڑے میں صفدر کا اسکوٹر بٹھا تھا۔“

”آج صبح ہی کچھ دیر کے لیے صفدر کی ڈیلوٹی میاں بھی رہی تھی۔ اس نے نریش کو کیا ڈنڈیں داخل ہوتے دیکھا۔“

”ابھی اتنا اچھا لگا تھا کہ وہ اپنے ان دوسرا صفدر کو دوسرے ہی دیکھ سکتا جو مختلف جگہوں سے عمارت کی گرانی کر رہے تھے۔“

”میں نے بھی اس کو دیکھ کر مخصوص قسم کے اشارے کیے تھے لیکن وہ سب الگ ہی الگ رہے پھر شاید اوسے گھٹے بعد خاور نے ایک ہندوؤں پھاٹک سے نکلتی دیکھی تھی۔“

”اسٹیرنگ پر نریش ہی تھا۔“

”مڑ کر پرتی رشتی تھی کہ وہ پہلی ہی جھک کر نریش کو دیکھ سکتا تھا۔“

”وین مڑ کر پرتی اور بائیں جانب موڑ گئی۔ خاور اسے اپنے اس ساتھی کی طرف چھپتا جس کے پاس اسکوٹر کا لٹاری تھا۔“

”ساتھی نے اسکوٹر تھوڑے فاصلے پر کھڑا کیا تھا۔“

”تم دیکھتے بٹھا گاڑی کس طرف مڑتی ہے؟ خاور نے اس کو دیکھ کر دھڑکا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں اسکوٹر کھڑا کیا گیا تھا۔“

”وہاں پر ساتھی نے بتایا کہ گاڑی اگلے چورسے پر بائیں طرف ہے۔“

”خاور جانتا تھا کہ اس طرف سے کئی سڑکیں مختلف سمتوں پر لگتی ہیں لہذا اس نے بڑی بدحواسی کے ساتھ اگلے موڑ پر اس طرف سے اسکوٹر کھڑا کیا تھا کہ زیادہ فاصلے سے اس کو دیکھ سکتا تھا۔“

”خاور نے اسکوٹر پر کھڑی ہو کر دیکھی۔“

”وہاں پر اسکوٹر دوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ وین نظر ہی آ گئی۔“

”خاور نے اسکوٹر پر کھڑی ہو کر دیکھ کر دیکھا کہ اس کو دیکھ سکتا تھا۔“

”وہاں پر اسکوٹر دوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ وین نظر ہی آ گئی۔“

”خاور نے اسکوٹر پر کھڑی ہو کر دیکھ کر دیکھا کہ اس کو دیکھ سکتا تھا۔“

”وہاں پر اسکوٹر دوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ وین نظر ہی آ گئی۔“

”خاور نے اسکوٹر پر کھڑی ہو کر دیکھ کر دیکھا کہ اس کو دیکھ سکتا تھا۔“

”وہاں پر اسکوٹر دوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ وین نظر ہی آ گئی۔“

”خاور نے اسکوٹر پر کھڑی ہو کر دیکھ کر دیکھا کہ اس کو دیکھ سکتا تھا۔“

”وہاں پر اسکوٹر دوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ وین نظر ہی آ گئی۔“

”خاور نے اسکوٹر پر کھڑی ہو کر دیکھ کر دیکھا کہ اس کو دیکھ سکتا تھا۔“

”وہاں پر اسکوٹر دوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ وین نظر ہی آ گئی۔“

”خاور نے اسکوٹر پر کھڑی ہو کر دیکھ کر دیکھا کہ اس کو دیکھ سکتا تھا۔“

”وہاں پر اسکوٹر دوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ وین نظر ہی آ گئی۔“

”خاور نے اسکوٹر پر کھڑی ہو کر دیکھ کر دیکھا کہ اس کو دیکھ سکتا تھا۔“

”وہاں پر اسکوٹر دوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ وین نظر ہی آ گئی۔“

”خاور نے اسکوٹر پر کھڑی ہو کر دیکھ کر دیکھا کہ اس کو دیکھ سکتا تھا۔“

”وہاں پر اسکوٹر دوڑا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ وین نظر ہی آ گئی۔“

”داخل ہوئی نظر آئی۔ خاور نے محسوس کیا کہ گاڑی کی منزل مقصود، بندرگاہ نہیں بلکہ اسے اس راستے سے مایہ گیری کے ساحل کی طرف لے جا رہا ہے۔“

”کچھ دیر بعد وہ اس ویران سڑک پر آ نکلا جس پر سے صرف مایہ گیری کی کینہوں سے تعلق رکھنے والی گاڑیاں گزرتی تھیں۔ دفتر وین کی رفتار کم ہو گئی اور اسے بائیں جانب والی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے روک دیا گیا۔“

”خاور اپنا اسکوٹر اگلے بڑھانے لگا۔“

”*“

”ٹھیک نو بجے شب کو بیک زید وین پر کیپٹن خاور کی رپورٹ سن رہا تھا۔“

”وہ پانچ آدمی تھے۔ خاور کہہ رہا تھا: نریش کے علاوہ اندھیرا ہونے کی وجہ سے میں ان کی شکلیں نہیں دیکھ سکا چل مایہ گیری کے گھاٹ ہی میرے پہنچ کر مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ وین میں نریش کے علاوہ بھی اور کچھ لوگ تھے پھر میں نے ان پانچوں کو مایہ گیری کی ایک بڑی لاٹچ پر سوار ہوتے دیکھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے لاٹچ نے گھاٹ کو چھوڑ دیا تھا پھر نریش تنہا واپس ہوا تھا اور گاڑی کو گرین اسکوٹر کی اسی عمارت کے سامنے چھوڑ کر خود جس طرح آیا تھا اسی طرح اپنی جھوپٹری میں واپس آیا۔“

”لاٹچ پر بیٹھنے والوں کی تعداد کے بارے میں میں نہیں یقین ہے۔“

”ایک زید وین ایک سو نو کی ہزاری تھی آواز میں پوچھا۔“

”جی ہاں وہ پانچ تھے لے لے لے لے۔“

”اور وہ وین اب کہاں ہے؟“

”میں نے تو اسے اس عمارت کے سامنے دیکھا تھا اور پھر نریش کے پیچھے چل پڑا تھا۔ اس سے پہلے میں نے فیوٹنٹ صلیبی کو کھینچا دیا تھا کہ وہ اس وین کو خاص طور سے نظر رکھے۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی تھی کہ وہ عمارت کے باہر مڑ کر پر ہی چھوڑ دی گئی تھی۔“

”ٹھیک ہے اب آرام کرو۔“

”شکر یہ جناب۔“

”دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔“

”بھگ زید وین سیورس کمرڈر لیکچر سیمینار خان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتے لگا۔“

”ہندو یا نہیں منٹ لیکچر سیمینار ہونی اور خاور کی رپورٹ کے اختتام پر عمران کی آواز آئی: پانچ باقی بچے تھے وہ بھی گئے ہاتھ سے۔“

”95“

”میں نہیں سمجھا جناب!“ بلیک زبردلو بلا۔
 ”کیا کوئی گھبراہٹ ہے؟ پتا نہیں وہ لالچ کدھر گئی ہو؟ کس
 کی ہو؟“

”میرا خیال ہے کہ وہ روپی مل فشر نے ہی کی ہو سکتی ہے۔
 کیونکہ گھاٹ پر پہنچنے سے پہلے زرش نے وہ روپی مل فشر کے
 سرد خانے کے پاس رکھ لی تھی اور خود ان کو عمارت میں گیا تھا۔“
 ”یہ خبر ابھی ہے؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ اب مجھے
 اس دین کے متعلق بھی رپورٹ ملنی چاہیے۔“

”اس کی رپورٹ بھی صدیقی سے ملے گی۔ خاور نے اسے اس
 کی طرف خاص طور پر مقرر کیا تھا۔“
 ”بہر حال کار ری پسند کے مطابق نہیں ہو رہا۔“
 ”مجھے افسوس ہے جناب!“

”ان آٹھوں میں سے صرف ایک ہمارے ہاتھ لگے اور
 وہ بھی اس سٹیج پر ہمارے لیے قفل ہے کار ہے۔ اس عمارت
 میں اب کوئی بھی نہ ہوگا۔“

”صفدر کا اسکوٹر کچا وڈ نہیں اب بھی موجود ہے۔“
 ”صفدر سے کہو کہ وہ اپنا اسکوٹر حاصل کرنے کے لیے
 کل گرٹ روڈ سے ضرور ملے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اس سے ملنے
 کی خواہش کرے تو انکار نہ کیا جائے۔ اب صرف وہی رہ گئی ہے۔“

”بہت بہتر جناب“
 ”اور رائیڈ آئی!“ بلیک زبرد نے سوچا آف کر کے طویل

سینس لی۔
 گیارہ بجے صدیقی نے رپورٹ دی کہ ایک گاڑی اس دین
 کے قریب آکر رکی تھی۔ اس پر سے ایک آدمی اتر کر دین کا رخ کیجئے
 لگا تھا اور گاڑی چلی گئی تھی۔ انجن میں شاید کوئی خرابی واقع ہو جانے
 کی وجہ سے وہ آدمی آگے گھٹنے ٹیک کر تار رہا تھا۔ اس کے بعد
 وہ اسے اسٹارٹ کر کے دیکھ کر لین کی کوٹھی غیر یارلیس ٹیک لے
 گیا تھا اور پھر وہ دین عمارت سے باہر نہیں آئی تھی۔

بلیک زبرد نے اس کی اطلاع عمران کو دی۔
 ”یہ بھی بڑی ابھی خبر ہے۔ عمران نے دوسری جانب سے
 کہا کہ جانتے ہو یا نہیں وکٹوریہ لین میں کون رہتا ہے؟“

”نہیں جناب“
 ”روپی مل!“

”اوہ تب تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ روپی مل
 فشر نے ہی کی لالچ رہی ہوگی۔“

”لیکن ان لوگوں سے کچھ اگلا لینا آسان نہ ہوگا۔ خیر تو
 تم نے صفدر تک میری ہدایت پہنچا دی ہے یا نہیں؟“
 ”ابھی اُسے بھی دیکھنا ہوں جناب۔“

”ڈیوڈ کا کیا حال ہے؟“
 ”نیا وہ ترخا محوش رہتا ہے۔“
 ”اور رائیڈ آئی!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ بلیک
 زبرد نے سر ہلچ آف کر دیا۔

”رائیہ سوناف مری طرح خشک محوش تھی۔ شام کو ہول پوس
 آنے پر صدیقی کو اپنا منتظر پایا تھا۔ سخت کوفت ہوئی تھی لیکن
 کرچی کیا سکتی تھی۔ وہ کار نایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ورتی
 شود دیکھنے جانے گی۔“

لیکن ورتی شود ورتی شود رہا ثابت ہوا تھا۔ پوریت کی
 اصل وجہ یہ تھی کہ رافیا روٹھیں گھبراہٹ تھی لہذا ذہنی خشک کے
 ساتھ ہی سمائی خشک کا احساس لازمی تھا۔ دس بجے ہول
 واپس آئی تھی۔ صدیقی ساتھ ساتھ آیا تھا اور غالباً متوقع تھا کہ وہ اس
 سے اپنے کمرے تک چلنے کے لیے کہے گی لیکن رافیا زبرد پوریت
 مول لینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس لیے اخلاقا بھی اس سے
 کچھ دیر ٹھہر کر جانے وغیرہ پیش نہ کیا۔

”چچا دہ آئی ہی خشک محوش ہو رہی تھی تو میری منہ
 تک پہنچا دو بھر ہو گیا۔ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ
 طرح کی آوازیں سنائی دیں۔ رک گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کلا
 پٹوٹ کر رہ رہا ہو۔ آواز قریب ہی کے ایک کمرے سے آتی
 ہو رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اب اسے آواز
 کی یہ تو اسی نوجوان کا کمرہ ہے جو آج صبح زنیوں سے لڑکھٹا تھا
 دوسری منزل پر جا کر آتا تھا۔ وہ غیر لڑائی طور پر اس کمرے
 طرف بڑھ گئی۔“

”کھٹے ہوئے دروازے کے سامنے رک کر اس نے
 وہ میز پر سر اندھ لے گاؤں بلند کرنے جارہا تھا۔
 کی طرف تھی۔“

”رافیا سوچنے لگی اُسے کیا کرنا چاہیے؟
 وقت وہ خود ہی خاموش ہو کر رہی ہے۔
 کی طرف مڑا اور رافیا پر نظر پڑتے ہی جہاں تھا وہیں لگا
 رافیا نے محسوس کیا کہ وہ کچھ عجیب سا ہو گیا۔
 ”تمہاری چوٹ اب کیسی ہے؟“ رافیا نے کہا

”نٹ... ٹیک ہے شکریہ!“ وہ بھلایا۔
 ”تم روکیوں رہے تھے؟“

”دور تھا؟“ اس نے حیرت سے کہا جلدی جلدی پکس
 جھکیاں پکس پکس جھپٹی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”جی نہیں
 میں تو کار رہا تھا۔“
 ”اوہ! معاف کرنا۔“

”قدیم یونان کی دیوی زہر کا بھین تھا کیا سچ اس کی
 لے رونے سے مشابہت رکھتی ہے۔“
 ”بہت زیادہ!“ رافیا مسکرائی۔

”دراصل میں اپنے گھٹنوں کی تکلیف کا احساس کم کرنے
 کے لیے گانے لگا تھا۔ آپ ایک بہت ہی رحم دل خاتون ہیں،
 لیکن مجھ آپ کی صورت صاف دکھائی نہیں دیتی۔“
 ”کیوں؟“

”میری عینک پھر گم ہو گئی۔ غالباً آپ کو وہ دوسری منزل
 پر مل گئی اور آپ نے اسے اٹھالیا تھا۔“
 ”جی ہاں۔“

”اوہ! معاف کیجئے گا میں نے آپ سے اندر آنے کو بھی
 اس کہا۔“
 ”کوئی بات نہیں۔“ رافیا نے غیر لڑائی طور پر کمرے میں
 داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”نشریف رکھئے، نشریف رکھئے نیک دل خاتون میں
 اس دن یا اس صبح کا آدمی نہیں رہ گیا۔ قدیم یونان
 کی نے مجھے کہیں کا نہ دکھا۔ اب میں اپنے گھر میں ہی نہیں
 رہتا۔ دیکھتے ہیں کہ شاید میں پاگل ہو گیا ہوں یا مجھ پر
 کوئی کا سارہ ہو گیا۔ اب یہی دیکھنے کر اس وقت آپ بھی
 لگائیں۔ میں بھین کار رہا تھا۔ آپ مجھے کہ شاید در رہا ہوں۔
 لگے نہ امانت ہے اپنی غلطی بھی ہے۔“

”آپ کو امانت نہ ہوئی چاہیے کہ یہ غلط فہمی ہی کی جتنا
 میں نے انداز میں ہے۔ چاند پر جا پہنچنا آدمیت کی
 کار یا اسے حالانکہ آدمیت کی معراج صرف امانت کر
 کے ہے۔“

”وہ تو کم نٹ ہو؟“
 ”جی ہاں! نٹ ہو؟“
 ”جی ہاں! نٹ ہو؟“

”جی ہاں! نٹ ہو؟“

”میں نے اس آدم کا نام پہلے کبھی نہیں سنا۔“
 ”آدھے تیر اور آدھے تیر کو جھانک رہے ہیں۔“
 ”غالباً اسی بنا پر نہیں اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا ہے؟“
 ”نہیں وہ دوسرا معاملہ ہے۔ میرے گھر والے اسے
 پسند نہیں کرتے کہ وہاں روٹوں کی لیلار ہو۔“

”میں نہیں سمجھی۔“
 ”مجھے سے روٹیں گفتگو کرتی ہیں۔“
 ”اوہ یہاں بھی وہی پکڑ... رافیا ہستہ سے بڑبڑاتی۔
 ”کیا فرمایا؟“
 ”کچھ نہیں۔“

”آپ شاید غلط بھی ہیں۔“ نوجوان کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔
 ”میں کیوں غلط سمجھوں گی جب کہ خود مجھے سے قدم میر
 کی ایک روح گفتگو کرتی ہے۔“

”خوب!“ نوجوان کے لہجے میں بے اعتدالی تھی۔
 ”وہ روح عالم اجسام میں میری ہم شکل تھی۔“
 ”بہت خوب۔“

”تم غلط سمجھ رہے ہو، رافیا جھنجھلا گئی۔
 ”بات نہیں بڑھانا چاہتا کیونکہ آج تم نے میری جان
 بچائی تھی۔ بے چون و چرا تسلیم کیے لیتا ہوں۔“

”اوہ! اس بنا پر تسلیم کر رہے ہو۔ اچھا تو میر میں بھی
 تجھیں جیو نا گھتی ہوں۔ تم مجھے مرحوب کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔“
 ”میں ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ تم کوئی ثبوت پیش نہ کر
 سکو گی۔“

”کیا ثبوت پیش کرو گے؟“ رافیا کو تاؤ آ گیا۔
 ”ابھی کچھ دیر پہلے میں جو بھین کار رہا تھا نہیں زہر کے
 معبد کی پجاریوں کی آواز میں سنوا سکتا ہوں۔“

”رافیا بھین پڑی اور وہ گے ٹھہر کر دروازہ نہ کرنے لگا۔
 ”اگ... کیوں؟“ رافیا بیک بیک لکھتا گئی۔
 ”دروہیں!“ وہ نرم لہجے میں بولا۔ ”تم مجھے کچھ سے کی
 طرح سے ضرر پاؤ گی۔ میں کمرے میں اندھ کر رہے جا رہا ہوں۔“

”ساتھ ہی اندھ رہا ہو بھی گیا۔ اس نے روشنی کا سوچا کہ کیا تھا
 رافیا کی کھٹی بندھ گئی پھر زبان سے ایک لفظ بھی اواز
 ہو سکا۔ نوجوان عجیب سے لہجے میں کچھ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔
 ”سی ایک لہ رافیا کی ریزہ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔“

”چرخیب تمہ کے ساتھ تمہ سروس میں گرنے لگے۔ آواز

چاروں طرف سے آتی معلوم ہوتی تھیں جیسے اندھیرا موسیقی کی لہروں میں تبدیل ہو گیا ہو۔

اس کے بعد گنگنہ والیوں کی آوازیں اچھوس۔ نے وہی تھی جسے کچھ دیر قبل وہ رونے سے تعبیر کر چکی تھی لیکن ان آوازوں میں اتنی ہلکا سس تھی کہ بہت آہستہ اس کا ذہن موسیقی کے اس اُحدتے ہوئے سمندر میں اس طرح ڈوبتا چلا گیا کہ پھر احساس ہی نہ رہا کہ وہ کچھ دیر پہلے خائف تھی۔ وہ نہتہ انہی آوازوں کے درمیان ایک مردانہ آواز اُبھری۔

”تم ایک فریب خوردہ بہت سی ہو رافہ سمزناں! اوٹو ویلائی فراڈ ہے۔ اگر تم اس کی روحانی قوتوں کی قائل ہو تو اس واقعے کے بارے میں ضرور استفسار کرنا۔ اگر اس کا رابطہ قدیم دوتوں سے ہے تو یہ لمحات اس پر ضرور اظہارِ احساس ہوں گے تم دیکھنا کہ وہ اس کے بارے میں تم سے کیا کہتا ہے؟“

پھر چائیک نے صرف ستاٹاٹاری ہو گیا بلکہ غصے میں روشنی بھی ہو گئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک کوئی لہران آوازوں کو ساخت کی دسترس سے دور بہا لے گئی ہو۔

”نہجوان سامنے کھڑا! اجتہاد انداز میں لکھیں جیسے کہ رافہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن نہ تو ہونٹوں نے جنبش کی اور نہ الفاظ ہی مل سکے۔“

کیا خیال ہے؟ ”نوجوان بھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔“ ”تنت... تم نے میرے نئی معاملات کے بارے میں کچھ کہا تھا؟“ میں نے؟ ”وہ غیر تازہ لہجے میں بولا۔ نہیں تو میں نے تو اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا تھا اور پھر میرا خیال ہے کہ میں نے بھی اس کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں کی تھی۔“

”وہ کسی مرد کی آواز تھی۔“ ”وہ ہے تمہارا۔ ایسی کوئی آواز میں نے نہیں سنی۔“ رافہ کے چہرے پر پینے کی تھی بھی لوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

بدقت تمام وہ دینی بیگ سے وہل نکال سکی۔ نوجوان پہلی بار طرح کچھ دھانے ہوئے انداز میں لکھیں جیسے کہ تازہ بار۔ رافہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

”فہم! افطاری طور پر اس نے جھپٹ کر دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی مردانہ آواز کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اس کے دلوں میں گونج رہا تھا۔

”تاہیں کس طرح اس نے اپنے کمرے کے دروازے کے

نقل میں کئی لگائی تھی۔

✱

دوسری صبح ٹیلی فون کی گھنٹی بری نے اسے بیدار کیا تھا، اور اس کا جی باوا کو انٹر وینٹ کوڈرٹس پر اس وقت تک چٹتی رہے جب تک کہ وہ کھلے کھڑے نہ ہو جائے۔ انہیں اس طرح جل رہی تھیں جیسے کسی نے مٹی کی پھرنگ ان میں جھونک دیا ہو۔

رہسپور اٹھا کر جھلٹائی ہوئی تندہی آواز میں پہلے بھی ”میں صاف تھی ہوں۔ گڈ مارٹنگ!“ ”گڈ مارٹنگ!“ وہ اہل پٹری ”مسٹر صدیقی ایک کافن نمبر پر سے پاس محفوظ ہے۔ جب بھی پروفیسر نے آپ کو وقت دیا مطلع کروں گی اس کے لیے ذرا طور پر مزید ملاقاتیں چھوڑ دوں گا۔“ پھر اس نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر کھٹک سے لپک کر نکل پڑا۔

”پروفیسر مارا اور چادر نکھٹ کر دوبارہ لوٹ گئی۔“ ”کالوں میں سٹیپل اس بیج رہی تھیں۔ کینڈیاں اس بڑی ہلکا پنچ۔ یہی تھیں جیسے سر میں مغز کی بجائے سب سے کا ڈھکھا ہوا پھل رات میں کھجے پھل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس وقت بھی کھجے پر پروفیسر ویلائی فراڈ ہے۔ یہ نوجوان آخر کون ہے۔ عجیب کیسی ہیں۔ انہیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے ذہن اور جسم میں کوئی لگا

ہی نہ ہو۔ کیا یہ محض اتفاق تھا کہ اس سے اس طرح ملاقات ہوئی اور ویلائی کے بارے میں تو وہ اسی وقت سے جیسے میں ہو چکی تھی۔ جب پچھو اور جھڑو والا واقعہ سامنے آیا تھا کہ وہ سچ فراڈ ہے؟ اگر ہے تو خود اس کی کیا جڑیں ہیں۔

”وہ کیا چاہتا ہے؟ اور اس کے ساتھ کس قسم کا فراڈ ہوسکتا ہے؟“ ”یہ سب تو اس سے سرگوشیاں کرتی تھی جنہو اس کی قد آدم تصور ہو جو وہ اس سے مشابہت رکھتی تھی۔

”تھا۔ اگر یہ سب فراڈ ہی تھا تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا تھا؟“ ”وہ دو فون ملاقاتوں سے اپنی کینڈیاں تھکنے لگی۔

”پھر اسرار نوجوان سے پھر ملنا چاہیے لیکن اس نے تو وہ کال نہیں کی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق اس نے تو مجھ سے کال کی تھی۔“

”وہ کوشش کرتی رہی کہ اسے دوبارہ زندہ کر لے۔“ ”نہجوان سکا۔ بالآخر اٹھتا ہی پڑا۔

”وہ اس نوجوان سے پھر ملنا چاہتی تھی مگر اس کے

پوری نہ ہوئی۔ اس کا مرامغلی تھا پھر کچھ دیر بعد ڈیوٹی پر توجہ دینی پڑا تھا۔

”اوٹو ویلائی بہت اچھے کوڈرٹس نظر آیا۔“ ”تم نے تو کمال کر دیا ہے بی۔“ وہ اسے دیکھ کر اس کے بڑھتا ہوا ہلکا میں نہیں بھی پروفیسر؟ ”رافہ کا لہجہ بے حد مشک تھا۔“ ”اصلی کے ساتھ تمہارا تڑپت بہت مناسب رہا۔“

”رات کے بتاؤ کہے کے بارے میں کہہ رہے ہیں آپ یا سمجھ دالے بتاؤ کہے کے بارے میں؟“ ”مجموع والا بتاؤ۔ میں نہیں سمجھا۔“

”لوں میں نے فون پر اسے ڈانٹ دیا تھا۔“ ”ہجج... ہجج... یہ کیا کیا تم نے۔ لیکن کیوں؟“ ”مجھے تین بجے سے پچھتہ نہیں آتی تھی۔ صبح ہی فون کی گھنٹی نے جگا دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے خواہ مخواہ لور نہ کرے۔ جب بھی آپ اس کے لیے وقت نکال کے فون پر مطلع کر دیا جائے گا۔“

”اوہ...“ پروفیسر نے ہونٹ پیچھنے لیے۔ ”تھوڑی دیر فونش رہا پھر بولا۔

”یہ تو اچھی بات نہیں ہوئی۔ پچھلی رات تم نے اسے بڑی اچھی طرح سٹیپل کیا تھا۔“ ”لیکن آپ کیا جانتی؟“

”اوہ...“ ”بے بی جان! پوچھ کر پڑتی ہو کہ کیا تم روحانی قوتوں سے واقف نہیں؟“

”رافہ نے طویل سانس لی اور ایک بار پھر اسی پراسرار آواز کے ساتھ الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

”یہ تو جاہل کہ وہ اس مسئلے میں پروفیسر کی روحانی قوتوں کا امتحان کر رہا ہے لیکن پھر عاقبت اندیشی اڑے آئی اور اس نے اس میں فائوش ہی رہنا مناسب سمجھا۔

”وہ لباس تبدیل کیے اس کمرے میں اب بھی جہاں کام کرتی تھی۔ آج اس نے حنو طاشہ لاش کی تصویر کو بڑی کینے نو نظر دیا۔

”پھر پھر کوڈرٹ دیکھنے لگی تھی۔ ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ سخت لڑاؤ اور ویلائی پر کہ وہ اسے اپنی مقصد براری کے لیے مدد لیتی تھا۔ اچھا پتا تھا۔ رافہ پچھتہ سے نفرت کرتی آئی تھی۔ اس نے نفی سے۔ اگر وہ مستقبل کے لیے اسے سو دینے لگی تو لیسانس دینا تھا۔

”لہذا سفر کیا تھا کہ وہ اپنے ذرائع سے روزی کمانا چاہتی تھی۔“ ”دفعہ اس نے حنو طاشہ لاش کی تصویر کی طرح عین عین سے دیکھا اور نعرائی۔

”اے روح اگر تم مقدس ہو تو مجھے بتاؤ کیا کل رات میں راستی پر تھی! بولو خا کوش کیوں ہو؟“

”ہاں!“ ”طویل سرگوشی میں جواب ملا۔ تم راستی پر تھیں۔“ ”لیکن وہ آؤں مجھے کوئی مقدس بہت سی نہیں سمجھتا۔ خراس نے مجھے وراثتی شوکی دعوت کیوں دی تھی؟“

”ہاں! یہ تو اس کی زندگی تھی لیکن تمہیں ہراساں نہ ہونا چاہیے۔ میں تمہاری محافظ ہوں۔ اس کا کوئی بھی غلط قدم اسے موت ہی کی طرف لے جائے گا۔“

”تم سر طرح کی قوت رکھتی ہو اے مقدس روح پھر پڑا۔ گھماؤ گھماؤ والا راستہ کیوں اختیار کیا۔ تم چاہو تو یوں بھی پروفیسر کی کافی بھڑائی رقم اسٹرٹنگ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔“

”ہاں! ایسا ممکن ہے لیکن یہ قانون قدرت کے منافی ہوگا اور میں بھی اپنی قوتیں اس کے بعد کھو بیٹھوں گی۔“ ”میں نہیں سمجھتی اے مقدس روح!“

”یہ بھی میرے قصہ قدرت میں ہے کہ میں اس ملک میں پائے جانے والے ایک ایک اسٹرٹنگ کو اپنی تحویل میں لوں گا۔ ایسا کرنا ہی قانون قدرت کے منافی ہوگا اور میری آؤں بھی ختم ہو جائے گی۔ آزاد رو میں اگر قانون قدرت میں خلل انداز ہونے لگیں تو ان کا یہی تشر ہوتا ہے۔“

”اچھا اے مقدس روح پچھلی رات میرا کوئی فعل تمہارے لیے ناپسندیدہ تو نہیں تھا؟“ ”ہرگز نہیں۔“

”اور میرا یہ فعل کہ میں نے اسے فون پر ڈانٹ دیا۔“ ”سب ٹھیک ہے۔ میں اس کے دل میں تمہاری لگن بڑھا دوں گی۔“

”رافہ نے سوچا۔ یہ روح بھی فراڈ ہے۔ اسے اس کا علم نہ ہو سکا کہ وہ کسی دوسری روح کی زبانانی اس کے پجاری سے متعلق بڑے الفاظ میں بکھی تھی۔

”کچھ اور پوچھتا ہے نہیں؟“ ”سرگوشی پھر اُبھری۔“ ”نہجوان اے مقدس روح میں تمہیں ہوں؟“

”اس کے بعد پھر پہلی بار اس کا ساتھ ستاٹاری ہو گیا۔“ ”یہ روح بھی فراڈ ہے۔ رافہ کے ذہن نے پھر

کیوں؟“ گھر روٹنے پہنچا۔
 ”فرخج میں ایسی بہترین چیزیں نہیں مل جائیں گی۔“
 ”نہیں تو پھر ٹیکہ ہے۔“ انڈول کے سینڈویچ بناتے ہیں تو۔
 کافی اوپر سینڈویچ کیوں؟“

بیدار رہیں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ صہدرا اس سے ہاتھ
چھڑا کر اُدھر چھپٹا اور وہ بھی جنس پڑی۔ صہدرا اپنی اداکارانہ
صلا جیتوں پر شش عش کر رہا تھا۔
فون پر دوسری طرف سے ایک ٹوک آواز آئی۔

”پرورد خدایا! مازنی منزل کا کرایہ ادا نہیں کرتا صرف نجلی ہی منزل
س نے کرایہ پر حاصل کی ہے۔“

”لیکن بالائی منزل کے نہ بیٹے...“

”صرف اچھی باتوں سے سرکار کو جو تمہارے لئے مفوری ہوں“

”ٹھیک نہیں ہے۔ میں خاموشی سے آدم کرنا چاہتی ہوں۔“
 ”موجودہ۔“ مقررہ اس نے بے حیائی سے دانت نکال دیے
 میں تو صرف غیریت دریافت کر رہا تھا۔ صبح فون پر تمہاری آواز
 ”فیجہ جباری کی لگی تھی۔ میں نے سوچا ممکن ہے۔۔۔“

وہ اندوں کے کئی سینہ لوح کھانے اور دو کپ کافی پینے کے بعد
 اوجھنے لگی تھی۔
 ”اوں! اگر روٹ نہ چڑھ کر سگھیں کھویں۔ ایک توابیک
 سی مسکا رہا اس کے ہاتھوں پر پھیل گئی اور وہ تیشی آنکھوں سے
 صفد کی طرف دیکھ کر مشتاقی۔
 (سمنوے دواتا)

کیا یہ عمارت کب پہنچے گی ایک اور کوشش تھی۔
 دفعہ وہ بارہ سے دروازہ پہنچے گی یہ نہتے بچے باہر آ جاؤں
 جا رہی ہوں۔ اسکو تھیں تمہارے شعر بھی پہنچ جائے گا میں تکلیف
 کرنے کی ضرورت نہیں۔
 دیکھیں میں خود اسے یہاں لاؤں گا، صفر نہ کہتے چہرے
 دروازہ کھول دیا۔

”یہ کیا میں یوں ہی خواہ مخواہ کسی شریف آدمی کا نام بے وقار
 کروں؟“
 ”کیا بحث ہے اس میں، تم اس کی جیب تو کاٹو
 گے نہیں؟“
 ”بھروسہ ہی وقت کیوں برباد کیا جائے؟“
 ”اس کا یہ تو بھروسہ ہے کہ اس کا نام بے وقار
 کروں؟“

”لافیجھے دو اس کی تصویر میں دیکھو گئے۔“
 ”شاید یہاں“ وہ بچے سوچتی ہوئی بولی، ”یقیناً وہ۔“
 پرس بج میں ہو گئی۔
 اس نے میز پر رکھا ہوا ایک پس اٹھایا۔ یہ کھیل کر کتہ
 کوئی رہی پھر ایک چھوٹی سی تصویر نکال کر صفحہ کی طرف اشارہ

یہ بھی ممکن ہے۔ یقین کے ساتھ کہ نہیں کہا جاسکتا ان خطوط کو دیکھ کر کسی شخص پر پہنچا ہوا ہے۔ یہوں، اچھا دیکھو ایک کام کرو تو ان خطوط کی نقل تو لاری سکوٹی۔ میرا مطلب ہے اگر ایسے خطوط پھر آئیں۔ لافوں پر ڈاک خانوں کی جہز پر پڑھنے کی کوشش کرو اور سرخط کی نقل کے ساتھ اس کی روایتی کے تمام کا حوالہ ہی دو۔ یہ تو جانتی ہی ہوگی کہ روایتی کے تمام کی جہزوں پر جتنی ہے۔

”میں کوشش کروں گی کہ نقل لاسکوں۔“
”خاص بات سنو۔ کوئی ایسی غلطی تم سے سرزد نہ ہونے پائے جس کی بنا پر وہابی کو تباہی و مصلحت اور لاعلمی پر مشہور۔ اس کے سارے احکامات کی تکمیل کا دبا کر کرتی رہو۔“

”میں تنگ آگئی ہوں۔“
”مجھے دن اور رات ہی۔ مجھے کوئی بڑا فائدہ معلوم ہوتا ہے۔“
”خیر۔۔۔ ہاں تو اب رہا مصلحتی والا معاملہ۔ اس کے لیے بھی پروفیسر کے احکامات کی پابندی ہو۔ مطلب یہ کہ پروفیسر اور اس بیحد روح کے احکامات میں اختلاف تو ہو نہیں سکتا۔ اس نے یہی تو کہا تھا تم سے کہ فی الحال حدیث کو مانتی رہو۔ ٹھیک ہے۔“
”مجھے وہ آدمی سخت ناپسند ہے۔“

”اس کے باوجود بھی فی الحال وہی کردہ جو کہا گیا ہے مجھے یقین ہے کچھ دنوں کے بعد نہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ حدیث سے ملنے کی ہدایت کیوں ملی تھی اور پھر اس سے گریز کرنے کو کیوں کہا گیا۔ پس اب جاؤ یہ میری عبادت کا وقت ہے۔“
”ہمیں یہ سب کچھ بتا کر میں بڑا سکون محسوس کر رہی ہوں۔“
”اور کسی سے تذکرہ مت کرو۔“
”ہرگز نہیں۔“

”یا کوہ قمر۔۔۔ یا مرغ تخت نشین۔۔۔ یا گریز فراق زورہ و۔۔۔“
”کیا تمہارے یہ ہیں نہیں بھی؟“
”لو جان نے ہاتھ ہلا کر چلے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی بڑا ہاتھ جاری رکھی۔“
”مائی پاپ کب سے نکل گئی۔“

”ایک زمانہ اس روایت پر مبنی کہ ہاتھ جو سیرت سروس کے احکامات کی لاج کر رہا تھا عطاات پرست تھی۔“
”ہاتھ کے لاش پر پائش یہ ہے۔“

وہ عمارت جس سے نریش پانچ آدمیوں کو لے گیا تھا اب خالی تھی۔ سیرت سروس کے ایک نمبر سے بے ضابطہ طور پر عمارت میں داخل ہو کر اس کی تلاش بھی ملتی تھی لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی تھی جس سے ان واقعات پر مزید روشنی پڑ سکتی۔
پانچوں غیر سکینوں کو روپیہ مل فشرنگ کی ایک لاش کسی نامعلوم منزل کی طرف لے گئی تھی اور وہیں جس میں وہ ساحل تک لے جائے گئے تھے۔ روپیہ مل کی رہائشی عمارت میں واپس لے جاتی تھی۔

بارہ سے پچھنڈ حوالات سے اسپتال میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس کی رہائی کے لیے وزارت تجارتی امور کے ایک ڈپٹی سکرٹری بنفس انیس تنہا نے پہنچے تھے۔ اس کے ساتھ سرکاری قیدی بھی تھے۔ فریڈز اسے براؤکس کے سلسلے میں کوئی ایسی بات سننے نہیں آئی تھی جس پر خاص طور سے دھیان دیا جانا پھر بھی نگرانی جانی ہے۔ مورہی قزاقا ملک کی عمارت سے باہر نہیں دیکھی گئی۔
ادو ویلائی کی رہائش گاہ کی نگرانی جاری تھی۔ ابھی تک کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس پر پشیم کیا جاسکے کہ وہ ویلائی کی رہائش گاہ سے ہول شیزاننگ رافٹ مونا کی نگرانی کرتا ہے۔ البتہ اب وہ اس خطی سے نوجوان کے گھر سے اس اکثر دکھائی دیتی ہے جس نے چند دنوں پہلے دوسری منزل کے زینوں کے قریب بے ہوش پڑا پایا تھا۔

گورڈو نے صفدر کو عمران کی تصویر دے کر اس کی تلاش پر آمادہ ہے۔ وہ دونوں روزانہ مل رہے ہیں۔ گورڈو کی شاہنشاہ عمارت کے نیچے پر گزرتی ہیں اور دونوں رات گئے تک ساتھ رہتے ہیں۔ نریش کی نگرانی برتنور جاری ہے۔ عمارت کے سامنے ۱۰ گھڑی کے کہ اپنی جھونپڑی میں واپس گیا ہے تو اب تک باہر نہیں نکلا۔ ایک بوڑھی عورت بازار سے اس کے لیے سودا سلف لاتی ہے۔ ڈپٹی سکرٹری صدیقی نے کئی بار رافٹ موناٹ سے ملنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے گھر سے نکل کر لاڈلج میں نہیں آئی۔ وہ ہول شیزاننگ کے لاڈلج والے فون پر اس سے گفتگو کرتا ہے۔
”ایک زیرو سے روپٹ ایک طرف رکھ دی اور مجھے ہاتھ ہلاتے گا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی کھنٹی بجی۔ ایک زیرو سے ہاتھ اٹھایا۔ دوسری طرف یقیناً صدیقی تھا۔ سوچا ان کے کہنے پر دوسری طرف سے سلسلہ منتقل ہو جائے گا اس نے ہاتھ رکھ دیا اور آٹھ گز پریشن روم میں آیا۔ ٹرانسڈیکر کا سوچا اس نے دیکھ دیا۔“

”کچھ دیر بعد آدھی۔۔۔ کیسٹو۔۔۔ کیسٹو۔۔۔ کیسٹو۔۔۔ کیسٹو۔۔۔“
”ہیلو۔۔۔ ایک زیرو ایکسٹو کی سی آواز میں غم آٹا۔“
گورڈو دوسری کہانیاں عمران کے ملازمین جوڑتے اور سیلوان پرکیشن فیض تشدد کر رہا ہے لیکن انھوں نے ابھی تک اسے نہیں بتایا کہ عمران کہاں مل سکے گا۔ اور۔۔۔“

”کیا وہ دونوں زیر حراست ہیں؟ ایک زیرو نے پوچھا۔“
”جی ہاں! وہ زیر حراست ہیں۔“
”کیا فیاض اس کے لیے کوئی قانونی حوالہ رکھتا ہے؟“
”ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا۔“
”معلوم کرو۔ اور آئینڈ آف۔“ ایک زیرو نے کہا اور ٹرانسڈیکر کا سوچا آٹ کیوٹا۔

صفدر نے مشن اسپتال کے کپٹن میں اپنا اسکوٹر روکا گورڈو اس وقت تک سے سے گزر رہی تھی اسے دیکھ کر رنگ لگی اور مخصوص انداز میں ہاتھوں کو جنبش دی۔

صفدر کے گھر سے دے دیے ہوئے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جیتی جیتی ہوئی آنکھوں سے خوشی پھوٹی رہی ہو۔
”قریب پہنچنے پر گورڈو نے کہا: بہت خوش نظر آ رہا ہے ہو۔“
”یقیناً گورڈو۔۔۔ صفدر پر جوش لہجے میں بولا: میں اس کا پتا لگالیا۔“
”کس کا؟“

”جس کی تصویر تم نے مجھے دی تھی۔“
”تمہیں دھوکا ہوا ہوگا؟“
”نہیں مجھے یقین ہے۔ میں نے بارہ میں تک اس کا کیا ہے۔“

”ملا میرے کارڈ میں، تفصیل سے باتیں کریں گے۔ میں تم کو بتا رہی ہوں۔“
”تمہارے کارڈ میں؟“

”ہاں۔۔۔ کیوں؟“
”کسی کو اعتراض تو نہ ہوگا۔“
”تمہارے تنگ کی پیدوار نہیں ہوں۔ گورڈو نے تعارت۔۔۔“
”مطلب۔۔۔“
”چلو اب تمہیں نہ لگاؤ۔“

وہ اسے اپنے کارڈ پر ملاتی۔
”صفدر کے گھر سے پرکیشن کے آثار سے ہراسا نہ بناتے ہوئے ایک کرسی کے نیچے چھپ گیا۔“
”یہاں تاہم آئینہ کیوں بنا رہا ہے؟“ گورڈو نے پوچھا۔
”تم بار بار تنگ کا طعنہ دیتی ہو۔“
”کاش تم لڑکی سے ہوتے اور میں لڑکا۔ گورڈو نے ٹھنڈی نسیں لے کر کہا۔“

”خدا کی قسم۔“
”ہاں بس! وہ ہاتھ اٹھا کر بولی: کوئی ایسی تم نہ کھا بیٹھنا کہ بد میں پھینا تاہم۔“ غیر تکیا کی روپٹ ہے؟“
”نہیں بتاتا۔“

”ہے ہے۔ وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولی: ذرا ادھر۔۔۔ تو دیکھن۔“
”ہٹ اپ۔ صفدر نے جھپٹے ہوئے انداز میں نظریں جھکا لیں۔“

”اب تم مجھے زندہ نہ رہنے دو گے۔“
”میں جابر ہوں۔“ صفدر نے گورڈو سے کی طرف بڑھا۔
وہ اس سے پہلے ہی دوازے کے قریب پہنچ گئی اور راستہ روکنے کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔
”چلو اب مجھے نہیں کہوں گی۔ ہم دونوں اچھے دوست ہیں۔“
اب تم اپنی کہانی سناؤ۔“

صفدر ہراسا نہ بناتے ہوئے پھر کرسی کی طرف پلٹ گیا۔
”تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا جیسے موڈ بہت ناگوار کی کوشش کر رہا ہو پھر کھنکھار کر بولا: میں نے اسے ٹپ ٹاپ ناٹنگ میں دیکھا تھا۔ وہ نیچے کے کمرے سے نکل رہا تھا۔“

”تنگ کی بات ہے؟“
”دو گھنٹے پہلے کی۔“
”پھر تم نے کیا کیا؟“

”تغافل شروع کر دیا پھر اس نے نروانی میزج کے ایک ہٹ کے سامنے گاڑی روکی تھی، عائدہ چلا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسی ہٹ میں رہتا ہے کیونکہ کچھ دیر بعد اس نے باہر کو بہت سا گھر بٹو سامان گاڑی سے اُتار دیا اور اسے ہٹ کے اندر لے گیا تھا۔“
”نہیں یقین ہے کہ وہ آدمی وہی تھا جس کی تصویر میں نے تمہیں دی تھی۔“

اس نے سرگھمایا۔ بتائی کہہ کر مکی پر نگاہ خالی۔ بچہ ریزہ
دیکھ کر ہی پھر مجھ کو اپنی آواز میں یوں بلے دے رہی ہے
واپس چلو، میری بعیدیت تحریک نہیں ہے۔
اس کے بعد پھر پہلی سی پوزیشن میں آگئی یعنی کھڑکی پر
پشتانی نگاہ دی۔

دنگھٹی کی آواز سن کر اسے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔
 پروفیسر کے باپ سے کہا: دینا کہ وہ موجود نہیں ہے۔
 رافیل نے طویل سانس لی۔

”اے لوگو! احافرات وغیرہ کا پتہ بھی ہے!“
 ہفتلی ہے غرض ستارہ شناسی سے کام نہیں چلتا۔ ستاروں
 کے حسابات بعض اوقات غلط بھی ہو جاتے ہیں لیکن روحوں کے
 لگائے ہوئے حسابات سو فی صد درست ثابت ہوئے ہیں۔“
 صدیقی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سمجھو می دیر
 بعد بھڑائی ہوئی آواز میں بولا۔

خواب اسی جگہ سے پھر شروع ہو جائے جہاں سے گولٹا تھا۔
 ”ایسے ایسے لیا کیوں جاتا تھا سڑک پہنچے؟ اس بار بار فحش
 کی آواز کسی قدر صلی تھی۔ میں نہیں جانتا... میں سمجھ نہیں جانتا
 خدا کے لیے میرے بارے میں کوئی بری رائے قائم نہ کرنا چاہتا
 میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں... میں کیا کروں؟“

خدا کے لیے اس سے کہہ دینا کہ مجھے معاف کر دے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اب وہ براہ راست تمہیں ہی احکامات دے رہی ہے۔
 رافیلہ کچھ کہنے بغیر تیزی سے مٹری اور درج دالے کمرے میں چلی آئی لیکن وہ اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سن رہی تھی۔

دروازے کے پاس پہنچ کر مٹری۔ پروفیسر سامنے دم بخود کھڑا تھا۔ مسکین صورت بنائے۔ اس وقت اس کا چہرہ خوفناک نظر آنے کے بجائے مسکین غیر رنگ رہا تھا۔

پروفیسر دلالی اجازت طلب کر رہے تھے کہ تم بہک جاتے ہو؟ رافیلہ نے سر دھنجے میں کیا۔

”میں نہیں سمجھا“ اس بار اس نے نظر اٹھائی اور تیز چلنے کچھ بدلے ہوئے سے گئے۔

پہلی ایک ضرورت تھی کہ عمران وغیرہ کے معاملات میں پڑتے! اس حد تک تو شیک تھا کہ تم نے اسے ایک کلیف سے نجات دلائی تھی۔ تمہارا یہ کام نہیں کہ دو دشمنوں کے درمیان کھڑا کر دو! دلالی کے سپر سکی ریگت بھر بدل گئی اور وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ یہ براہ راست رافیلہ کی سرزنش ہے۔ یہ براہ راست ”وہ تمہارے مستحق شہادت میں مبتلا ہو سکتا ہے“

”ہاں! میں سمجھتا ہوں ہے فی، اسی لیے میں نے اسے صاف جواب دے دیا تھا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اپنے معاملات خود نمونہ۔ لیکن بے فی میں اسے بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ جو رن کو کوئی گونڈ پھینچ کر دیکھو وہ درج کے خادموں کی اولاد ہے“

”میں اس مسئلے میں بھی راج کے مشورے کے بغیر کوئی قدم اٹھانا چاہتی تھی۔“

”شیک ہے۔ تم معلوم کرو اور مجھے معاف کر دو“ دلالی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

”نام کی جانے کی کو سرگٹ سگلا رہا تھا کہ پائیں باغ کے گاؤں کی آواز آئی۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کے قریب آیا۔

”اوه! اس کے منہ میں جھنجھکے لیے گڑ گڑو کی خیانت تھی۔ اس نے اُٹھ کر دیکھا پھر وہ اسے آواز دی وہی ہوئی اندر

”میں ہم سے ہوا نہیں آ رہی تھی اور انکھیں سرخ تھیں

”اس کی بات سن لیا۔ ایا نکھا تھا جیسے کچھ دیر پہلے

”اوه! یہ ہے“

”کون؟ کس کی باتیں کر رہی ہو؟“ صفدر کے لیے کی سیرت خود اسے بھی متحیر کر دے رہی تھی۔

”عمران... علی عمران کی“

”کون علی عمران؟“

”وہی جسے تم نے مجھے نروانی بیچ کے ہٹ میں دکھایا تھا“

”میں کچھ نہیں سمجھا۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔ اسے کون سا دروازے گا؟“

”اوه... میں تمہیں کیسے بتاؤں؟ میں کہتی ہوں جلدی کرو۔“

”کمال ہے میں اس سے کیا کہوں گا کیسے کہوں گا! مہری اس سے جان پہچان تو نہیں“

”اچھا جاؤ باہر بیٹھو، اس پاس کوئی ایسا آدمی تو موجود نہیں جو میرا اتفاق کرتا ہو یا یہاں تک آیا ہو“

”صفدر نہیں پڑا پھر لولا۔ یہ آخری منزل ہے جاسوسی ناہلوں کے شائقین کی“

”نہیں میں بخیر ہوں۔ مذاق نہ سمجھو۔ میں اطمینان کر لینا چاہتی ہوں“

”کیا واقعی سنجیدہ ہو؟“

”یقین کرو صفدر... جلدی کرو“ وہ گھٹکیا۔

”صفدر کو اس اچانک تبدیلی پر سیرت تھی۔ وہ باہر نکل آیا۔ دور دور تک کسی کھیتا نہیں تھا۔ کئی منٹ تک گرو ویش کا جائزہ لیتا رہا پھر گرو ویش کے پاس لوٹ آیا۔

”کوئی نہیں۔ مجھے تو ایسا کوئی بھی نہیں نظر آیا جس میں شبہ کیا جاسکے“

”لیکن میں میرے ساتھ ضرور دیکھا گیا ہوگا“

”کیا بات ہوئی؟ لاکھوں نے دیکھا ہوگا“

”مطلب یہ کہ ان لوگوں نے ضرور دیکھا ہوگا جس طرح سے تعلق رکھتے ہیں“

”آخر تم کس ناول کے پلاٹ کی ریسرچ کر رہی ہو؟“

”صفدر اسے بچاؤ خدا کے لیے ورنہ میں اسے سکون نہ پاسکون گی“

”آخر کیا ہو رہا ہے؟“

”میں ابھی تک نہیں دھوکا دیتی رہی ہوں۔ ایک خاص مقصد کے تحت تمہیں اس آدمی کی تلاش کی گئی تھی۔“

”اوه! صفدر نے اس طرح انکھیں نکالیں جیسے اب کچھ عقل چلی ہو“

”ہاں، یقین کرو، میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی لیکن تم پہلے اسے مطلع کر دو کسی طرح ہی“

”میں اس کا فون نمبر تو جانتا نہیں“

”تمہیں اس کے پاس جانا پڑے گا“

”تھکا“

”ہاں اس بار تو تمہاری جانا پڑے گا۔“

”لیکن میں کیسے کہوں کہ اس بار میری دھوکا نہیں کھائے گا“

”یقین کرو یہ دھوکا نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میری قسم کا فیصلہ ہوتا تو تمہیں بتاتی ہوں؟“

”ہاں... اول... تو مجھے اس سے کیا کہنا ہوگا؟“

”میری کہ اس کے دشمنوں کو مل رہا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے لہذا اسے وہ جگہ فوراً چھوڑ دینی چاہیئے“

”اچھی بات ہے میں جا رہا ہوں“

”لیکن تم شیک اپ میں جاؤ گے“

”صفدر نے قہقہہ لگایا۔“

”ہنسو نہیں“ وہ جھنجھکیا۔

”تم شاید مجھے پورا جاسوس بنا دینے پر تیار گئی ہو میں کیا مانوں میک آپ کس پڑیا کا نام ہے؟“

”میں تو جانتی ہوں، سلمان بھی ساتھ لائی ہوں۔ اس اپنے دشمنی جیک کو پھینکے ہوئے کہا۔

”مجھے اسٹیج ڈراموں سے دلچسپی رہی ہے۔ خود بھی ان میں حصہ لیتی رہی ہوں۔ اسی زمانے میں کئی قسم کے میک آپ کے

”دیکھتے تھے۔ چل رہا تھا میری طرف“

”تھوڑی ہی دیر بعد صفدر نے اپنے چہرے پر فریج کٹ کر دو گھنٹی موچیں دیکھیں جو اتنی گھنٹی تھیں کہ اوپری ہونٹ

”جب لپکتا تھا۔“

”اب دھوپ کی عینک لگا لو نہیں کوئی نہ پہچان سکے گا“

”اے کہا۔“

”لیکن وہ تیسرا لون ہے؟“

”اب جا بھی چکی ہو موت سے۔ واپسی پر بتاؤں گی میں“

”میں تمہاری منتظر ہوں گی“

”صفدر چند لمحوں کے سوچنا رہا پھر سر ہلا کر لولا۔“

”میں سمجھ گیا“

”کیا سمجھ گئے؟“

”تم کسی طرح مجھ سے اس حرکت کا انتقام لینے کی کوشش کر رہی ہو“

”نہیں صفدر ہرگز نہیں! معصوم مریم کی قسم سیوٹ کی قسم! ایسی کوئی بات نہیں۔ تمہاری اس حرکت نے تو مجھے لرزات پر لگایا ہے۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی“

”میں تمہاری قسم پر اعتبار کر کے جا رہا ہوں“

”تم مجھے جھوٹا نہ پاؤ گے“

”صفدر نے باہر نکل کر اسی ریت کڈائی میں اسکو ٹہنیلا اور کسی ایسے ٹیلی فون بوتھ کی تلاش میں روانہ ہو گیا جہاں سے ایکٹو اس نے ڈیوٹ پلٹ سے آگاہ کر سکے۔

”ایک جگہ ایک ایسا ٹیلی فون بوتھ مل ہی گیا جو بالکل خالی تھا۔ صفدر نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور سکر ڈال کر رانا تیس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

”اس نے مختصر ٹائٹ حالات کے بارے میں بتاتے ہوئے مشورہ طلب کیا۔

”دوسری طرف سے ایکسٹنشن آواز آئی۔ تم اتنا وقت ادھر

”بڑھ کر راز دہنتے میں بیچ تک جا کر واپس آسکے ہو پھر اس سے جا کر کہہ دینا کہ اس کی مرضی کے مطابق سب کچھ کر آئے ہو“

”بہت بہتر رہتا ہے“

”میں فی الحال خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتے رہوں“

”صفدر نے دوسری طرف سے سلسلہ متقطع ہونے کی آواز سن کر لیسو پر کبکے لگا دیا۔

”اب کچھ وقت باہر ہی گزارنا تھا جو گزرتا رہا۔ دلیہ جب وہ دوبارہ گھر پہنچا تو گرو ویش حسب وعدہ اس کی منتظر نہیں تھی، لیکن جاتے جاتے اس نے ضروری سمجھا تھا کہ اس وعدہ خلافی کے حوالے میں ایک تحریر چھوڑ جاتی“ اس نے لکھا تھا ”صفدر

”ڈیش امیری ذہنی حالت شیک نہیں ہے اس لیے مناسب نہیں سمجھتی کہ اس وقت اسپتال کے کیمپاؤنڈ سے باہر پائی جانوں! تو سب کچھ معاف کر دو گے، اگر حالت سنبھل رہی تو جلد ہی

”113

پھر مل گئی۔
صفر نے اس کی اطلاع بھی ایک ٹینک پہنچا دی اور
ادھر سے جا بیت کی کہ وہ بھی گھر ہی تک محدود رہے۔

سمندر کی جانب سے تیز اور خشک ہوا بہرہی تھی۔
عمران نے طویل آنکڑاٹی کی اور کھڑکی کے پاس سے ہٹ
آیا۔ باہر اندھیرا پھیل گیا تھا۔ وہ کسی گھری سورج میں معلوم ہوتا
تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے فون پر رانا پٹیل کے نمبر ڈائل کیے
اور دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز سن کر کوڑو دروازے میں
کہا: ڈیوڈ کو سانپ سے ڈسوا کر بڑی نالی کی سڑک کے قریب
والی جھالڑوں میں ڈلا دو۔ اس کے جسم پر ایسے کپڑے ہونے
چاہئیں جیسے اس نے غائب ہوجانے کے بعد سے جنگل ہی میں
زندگی بسر کی ہو!

”ہل... لیکن...“ بلیک زیرو دوسری طرف سے بھلا یا۔
”جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کے خلاف نہ ہونا چاہیئے۔ ان
میں سے جو بھی ہاتھ لگا اسے بہر حال کسی نہ کسی پہلے مرنا ہی
ہوگا۔ حالات کا تقاضا یہی ہے!“

”کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچ چکے ہیں؟“
”ہاں!“ عمران غمزما یا۔ بہر حال اسے جھالڑوں میں ڈولنے
کے بعد کسی بھی خفانے کو فون کر دینا کہ فلاں جگہ ایک آنکڑی مر رہا ہے۔
لفظ آنکڑی ہی استعمال ہونا چاہیئے کیونکہ عام آدمی ہر مفید کام
کو آنکڑی ہی کہتا ہے بس!“

اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور فون کے پاس سے
ہٹا جا کر بیٹھ گیا۔

اس نے ساری کھڑکیاں بند کر دیں۔ دروازے پر لٹ
لے لی کہ وہاں کے شیشے بھی نہ کھلے رہتے دیکھو پھر وہ
بے گت رہ گیا۔ نتیجے کے بیچے ہاتھ ڈال کر ریلوے کو ٹولا
اور ہائی کرکٹ پر کھینچیں بند کر لیں۔

والی کی کہ ہوں کی اس ہستی پر آہستہ آہستہ سکوت
طاری ہوتا جا رہا تھا۔ فون کے دھن دھن میں کہیں دھندلی
روشنی نظر آ رہی تھی اور کپڑے ہل رہے تھے۔

ساحل سے ٹکرانے والی لہروں کا شور بھی کبھی تیز ہو جاتا۔
تھریا گیا کہ تھریا گیا۔ تھریا گیا۔ تھریا گیا۔ تھریا گیا۔
آئی اور عمران اپیل ہوا۔ تھریا گیا۔ تھریا گیا۔ تھریا گیا۔
کی طرف جھپٹا۔

جہاں رکھا تھا اس کمرے کا دروازہ بند تھا اور ماسی کمرے
سے گھنٹی کی آواز آنی تھی۔

قتل کے سوراخ سے اندر جھانکتے ہی اندازہ ہو گیا کہ اس
کی اکیم کامیاب ہوئی ہے لیکن ضروری نہیں تھا کہ اس وقت بھی ہٹ
کے باہر بھی کسی قسم کا خطرہ موجود نہ ہوتا پھر اس نے دیوار سے
لگے ہوئے ایک سوچے بچار ڈبر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ گھنٹی کی آواز آئی
اب وہ دسے پاؤں باہر جا رہا تھا۔ پہلے ایک کھڑکی کھولی۔
چند منے اندر سے ہی آنکھیں پھاڑتا رہا پھر باہر نکل آیا۔ لہروں کے
شور کے علاوہ اور کسی شے کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔
ہٹ کی پشت پر ایک بڑی سی دیوین کھڑی دکھائی دی۔
اتنا گہرا اندھیرا بھی نہیں تھا کہ وہ دیوین کی موجودگی یا عدم موجودگی
کا اندازہ نہ کر سکتا۔

اگلی سیٹ بالکل خالی تھی۔ قریب پہنچ کر لوٹ پر ہاتھ
رکھ دیا۔ انجی کھرم تھا۔ وین کا پچھلا حصہ خالی تھا۔

وہ تیزی سے واپس ہوا۔ ہٹ میں داخل ہو کر پھر ماسی
کمرے کے سامنے پہنچا جہاں گھنٹی کی آواز آئی تھی۔

جب سے کبھی نکال کر دروازے کا قفل کھولا کہ
میں دھندلی سی روشنی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فرش
کمی رنگ ایک دوسرے سے گتے ہوئے قلم یا زیاں کھا رہے ہوں
عمران نے ایک سوچے بچار آنکھیں کھریں۔ تیز تیز کی
پھیل گئی اور تب معلوم ہوا کہ یہ کچھ نہیں بلکہ وادی میں
جال میں پھنسے ہوئے اس سے نکل جانے کی جدوجہد میں
”میرے ہاتھ میں ریلوے رہا ہے!“ عمران غمزما یا۔
ہو جاؤ۔ تمہارے ہاتھ مجھے نظر آتے چاہئیں ورنہ کوئی مایوس نہ
انھوں نے بے حوجہ چہرہ اخیل کی یہ ویسی ہی تھی
”ادھو! تو ریم ہو کر نہیں... بہت اچھے!“ عمران نے کہا
”بڑی زیادتی ہوئی اگر میں اس ملاقات کو ایک اعزاز کی صورت
میں تبدیل نہ کر سکتا تو اسے اپنی بد نصیبی سمجھوں گا۔ میرے
کہ تم بھی مجھے جانتے ہی ہو گے!“

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ عمران کھڑا کہتا۔
اتنا ہی احمق کچھ ہو کر میں یہ اتنا بڑا روشن دان ہوں جو
رہنے والوں کا جس سے گڑبگڑ کوئی مہیا ختم کر سکے اور وہی
وقت اس روشن دان سے گزر سکتے ہیں۔ میرا اچھا ملا
درست ہی نکلا کہ تمہارے آقا اب اپنے سفید سانس
ایسے کاموں پر نہیں لگائیں گے۔

دوسری صبح جبکہ واپس ویران سانی کے لیے بہت بڑے
در و سر کی حالت تھی۔ انھیں نوٹیل ڈیوڈ کی لاش مل گئی تھی۔
حال ڈیوڈ کی لاش اس کے کپڑے سے پتے ہوئے تھے اور جسم
پر منوں خاک تھی۔ ابتدائی طبی رپورٹ کے مطابق وہ مار گزری
کیس تھا پھر پوسٹ ملڈ سے بھی اس کی تائید ہو گئی۔ کسی بہت
زیادہ نہ رہے سانپ نے اسے کاٹا تھا۔

بہر حال یہ سسٹم پولیس کے لیے معتد بنا ہوا تھا کہ وہ اپنا تک
غائب کیوں ہوا تھا اور جنگل میں کیوں رو پڑی اختیار کی تھی۔
پھر دولا شیں اور پٹیل۔ یہ تشریح اور روٹی مل کے سکرٹی
کی تھیں۔ ان کی دین ایک کھڈ میں انٹی پرائیویٹ تھی۔ ایک کی
لوٹ کی بڑی ٹوٹ تھی جتنی دوسرے کی ریزہ جی بڑی۔

دوسری اطلاع سے پکڑیں فیاض کو سرکار نہیں تھا۔ وہ
تو نوٹیل ڈیوڈ کے سلسلے میں پریشان تھا لیکن اس کی پریشانی ڈیوڈ
دیر تا مرنہ نہ تھی۔ اس کے ماتحتوں کی ٹیم جو بڑی ناز کے جنگل میں
چھان بین کر رہی تھی۔ بلاخر ایک چھوٹا سا سوٹ کیس بھی پائے
میں کامیاب ہو گئی۔ اس میں کچھ کاغذات تھے۔ ایک شراب کی خالی
بٹل تھی اور دو تین روپے انھیں کاغذات میں ایک نوٹ تک بھی
ملی جس پر نوٹیل ڈیوڈ کا نام اور تپا تھا۔ وہ نوٹ کیس کی ورق
اردائی کر کے نکلا اور پھر ایک جگہ اسے پوری طرح مٹوہ ہو جا پڑا۔
ایک ایسی کہانی تھی جس نے نہ صرف نوٹیل ڈیوڈ کے بارے
میں کچھ ظاہر کیا بلکہ ایک حادثے پر بھی روشنی ڈالی۔ یہ حادثہ اونچی
کھیا والی پہاڑی سے تعلق رکھتا تھا۔ شاید نوٹیل ہی سنے
اسے تنگ میں یہ کہانی لکھی تھی۔ وہ اس خوب صورت عورت
اور اس پہاڑی پر سے گیا تھا لیکن وہ اس پر تیار نہ تھی۔ جو
کہ چاہتا تھا۔ زبردستی پر آمادہ ہوا تو جھگڑا نکلی۔ اس طرح
وہ پہاڑی سے نیچے گری۔

اس کے بعد نوٹیل کے اپنے تاثرات تھے۔ وہ خائف تھا
ماغیر ملازم کو رہا تھا۔ وہ کسی ایسی جگہ جا چکا تھا
اس کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔ وہ اپنے ہی جیسے کسی دوسرے
لوہ کی شکل نہیں دیکھتا چاہتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔
اس تحریر نے لگے لگے کہ کوئی ایسی شکل اختیار کر لی تھی جس
سے وہ پنا چلتا تھا کہ لکھنے والا ذہنی طور پر تیز تر تازن ہوتا
ہو۔

بہر حال اس نے انکشاف کے بعد از سر نو جھگڑا دوڑ

شروع ہو گئی۔ نوٹیل ڈیوڈ کے دفتری کاموں کے فائل نکلائے
گئے اور شام تک طرز تحریر کے ماہرین نے فیصلہ کر دیا کہ دائری
کی تحریر نوٹیل ڈیوڈ ہی کے ہاتھ کی تھی۔

فیاض نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ دونوں ہی کیس سلیو
گئے تھے اور وہ ان کے غنیمت کے بارے میں کچھ نہیں سوچنا چاہتا
تھا۔ اونچی بن گلیا میں پائے جانے والے تار کے ٹپے کو بھی اس نے
ذہن سے نکال بھیجا۔

”جہنم میں جاؤ!“ وہ بڑبڑاتا ہوا کسی کی پشت سے بگ
گیا اور صوب میں پڑے ہوئے سکرٹ کے پیک کو ٹپٹپٹے لگا۔
دفعہ فون کی گھنٹی بجی اور اس نے بڑا سا مٹہ بنا کر لیسور
اٹھا لیا۔

”ہیلو!“
”کون بول رہا ہے؟“
”فیاض!“
”میں عمران ہوں!“

”میں نے آواز پہچان لی تھی!“ فیاض نے تلخ ہنسنے میں کہا
اور مزید پوچھ کر پکی گھنٹی بجائی۔ فوراً ہی ادولی کمرے میں آیا۔
”تھنہ جوڑنا اور سٹیک کو کیوں پکڑا ہے؟“

”تاکاؤں سے تمہارا پتا معلوم کیا جائے!“ فیاض نے
سامنے پڑے ہوئے پیڈ پر پینل سے جلدی کچھ کچھ پکڑا
”وہ نہیں جانتے!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
”کچھ بھی ہو!“ فیاض نے کاغذ پیڈ سے الگ کرتے ہوئے
ادولی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ادولی نے اسے لے کر کھینچا اور
تیزی سے باہر چلا گیا۔

”میں نے سنا ہے کہ تم عداوت سے ان کا ریکارڈ لینے والے ہو“
”ہاں! درست ہے!“

”نیچے بازاد میں تھیں تنگا کردوں گا فیاض اگر تم نے ایسی
کوئی حرکت کی!“ میں یہاں سے تمہارا تبادلہ کر دیتے کی صلاحیت
رکھتا ہوں۔“

”بکومت اتم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم ایک بہت بڑے
مصلے میں اچھگے ہو۔ نہیں اس کی جواب دہی کرنی ہے!“
خیریت اسی میں ہے کہ فوراً مجھے سے ملو۔“
”اس بڑے مصلے کی نوعیت؟“

”ایک ایسی عمارت میں تمہاری آنکھوں کے نشانات ملے
ہیں جس کا کچھ حصہ کسی قسم کے دھماکے کی وجہ سے ڈھک گیا ہے اور

وہاں سے تین لاکھ برآمد ہوتی ہیں جن میں سے تین غیر ملکی تھے ایک زرعی دیسی تھا جو بیان دینے سے پہلے ہی چل بسا۔ جو تری یا سیلین کی انگلیوں کے نشانات ضرور ملے ہوں گے؟ عمران عرض کیا۔

”نہیں، وہ تو اس لیے پکڑے گئے تھے کہ تمہارا پتا جانتے ہوئے بھی قانون کی مدد نہیں کر رہے ہیں۔“

”میں کہتا ہوں وہ نہیں جانتے۔ اگر ان پر ذرہ برابر بھی تشدد ہوا تو تمہارے حکم کو سر کے بل کھڑا ہونا پڑے گا۔“

”یکو اس بند کر دو۔“

”فیاض میر نہیں چاہتا کہ تمہاری تو بین ہو اس لیے بہتر ہی ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو۔ اگر تم نے میرے مشورے پر عمل نہ کیا تو تم کو مرنے کی قسم کی جھڑپ پڑے گی تم پر اور تم کم از کم ایک ہفتہ تک نہ سو رہے پھر دیکھو۔ صرف ایک گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن فیاض کے چہرے پر نگاری کے آثار نہیں تھے۔ اس کے برخلاف اس کی آنکھیں جھک رہی تھیں۔ ایسی ہی جھک تھی جیسی کسی محلے میں کامیابی کا یقین ہو جانے کے بعد آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ چند لمحات کے بعد اس کا ایک ماتحت کمرے میں داخل ہوا۔ کچھ نہیں معلوم ہو سکا جناب! اس نے کہا۔

”ایکس چیف نے یہی اطلاع دی ہے جناب۔ آپ کے فون کا میٹر کال کو تیار ہوا تھا لیکن اس نے اس نمبر کی طرف قطعی رہنمائی نہیں کی کہ ہاں سے کال ہو رہی تھی۔“

”یہ کیسے ممکن ہے؟“

”آپ خود براہ راست ایکس چیف سے معلوم کر لیجیے۔“

فیاض پیر چیخ کر کھڑا ہو گیا۔

”تم جا سکتے ہو؟“ اس نے کہا اور ماتحت چپ چاپ باہر نکل گیا۔

بہر حال فیاض نے اس چیخ سے براہ راست جو معلومات کہیں وہ ان سے مختلف نہیں تھے، وہ کچھ بہرے ماتحت نے بہم پہنچائی تھیں۔

”وہ کرسی کی پشت پر صبح ۸:۱۰ بجائی کا لینڈ خشک کرنے لگا۔“

خود ہی دیر بعد اس صبح آدھ بجے کے دو چار

ہونا پڑا۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل کے آفس میں ملے ہوئی تھی۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اسے خصوصی مشاورت کے کمرے میں جانا ہے۔

اسے ڈی جنرل تنہا نہیں تھا۔ فیاض نے سر سلطان کے پرسنل سکرٹری کو جیتے دیکھا اسے ڈی جنرل نے فیاض سے کہا کہ وہ عمران کے دفتر پر پرنس ڈالافائل موجود ترین اطلاعات سر سلطان کے پرسنل سکرٹری کے حوالے کر دے۔

کلن دیا کر ہی کرنا پڑا۔ گھڑی دیکھی تو عمران کے دیدہ وقت کے پوسے پہننے میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اس نے جاری ہوتی تھلے ماتحت کے نام جو عرف اور سلطان کی رہائی کے لیے احکامات جاری کیے اور پیچھے ہٹنے والے کے ساتھ اپنے آفس میں آ بیٹھا۔

عمران اب پھر دانش منزل میں دکھائی دے رہا تھا۔ ایک زیر دبی را نا بیس سے نہیں واپس آ گیا تھا۔ عمران نے اس سے کہا تم واقعی تھک رہا ہو۔ جو کچھ تم نے کیا ہے اس کا خیال مجھے بھی نہیں آیا تھا۔ اب جولو پولیس کے دو کیس تو نیٹ ہی گئے اگر انہی کے بغیر اس کی لاش ملی ہو تو پولیس کو پھر ادھر ادھر مٹانا پڑتا ہے۔ ”بس جناب چاہیے ہی خیال پیدا ہوا تھا کہ پولیس کی رہنمائی کے لیے بھی کچھ نہ ہو نا ہی چاہیے۔ بڑے داؤ پر جاکر استعمال کرنے پڑے تھے۔ اس کہانی کے لیے ڈیوڈ رات بہت سے چٹن نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے تاثرات کو کچھ ڈالے اس طرح بھی اعلیٰ انتظام کو ہوا جائے۔ سب اس کی سمجھ میں آگئی اور اس نے خود بخود ہی سب کچھ کھڈالا جو اس سے لکھوانا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ قدرتی طور پر اپنی ڈائری ہی استعمال کرنی تھی۔ کسی ڈرائیو میں بھی تھا۔ بہر حال سب کچھ بہت آسانی سے ہو گیا۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ایک زیر دبی بولا لیکن آپ نے اس سے پہلے کبھی ایسے آدمی کے ساتھ ایسا نہ ہوا نہیں کیا جسے پوچھ کے لیے روک رکھا گیا ہو۔“

”میں اس پر مجبور تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔“

”دوستو کی ڈھکی چھپی ڈھکی کا مقابلہ یہی طرح کرتے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا؟“

”میں انحال اتنا ہی کافی ہے۔ بہر حال میں انھیں جن جن کرشمہ کروں گا اور ان کے مقامی رہنماؤں کا ساتھ بھی اس طرح ہوتا“

”اوہو! میں ان دونوں کے بارے میں تفصیل پوچھتا ہوں یہی گیا تھا۔“

”میں نے صرف اس روشن دان کو کھلا رکھا تھا جس سے ایک آدمی بستی گزر سکتا ہے اور روشن دان کے نیچے جال لگا دیا۔ انتظام یہ تھا کہ جیسے ہی کوئی جال میں پھنسے گا اس کی آواز ملے گی۔ وہ کچھ ایسے نوکھلائے ہوئے تھے کہ ایک کے بعد دوسرے نے بھی کمرے میں کودنے کی ٹھان رکھی تھی۔ لہذا دونوں ہی پھنس گئے اور صرف وہی دونوں آئے بھی تھے۔ کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔ بہر حال میں انھیں جال سے نکال کر اس کمرے میں لایا جہاں ضیافت کا سامان پہلے ہی موجود تھا۔ میں نے انھیں دروازہ کھلا کر اتنی بلائی کہ مدت ہو گئے پھر انھیں گاڑی میں ڈال کر اس مقام تک لے گیا تھا جہاں سے گاڑی کو کھڈا میں گرا تھا۔ گاڑی گرائی اور پھر کچھ پہنچا۔ وہ دونوں اس وقت مرے نہیں تھے پھر ان میں سے ایک کی گردن توڑی پڑ گئی اور ایک کی رڑھ کی بڑی۔“

”اور یہ سب کچھ آپ نے تنہا کیا تھا؟“

”بھڑ بھڑا کر تھک گیا ہوں۔ خیر ختم کر دو۔ گروٹر کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟“

”ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔“

”خیر... مزید اصل براہ راست اسی کو جواب دے تھا۔“

”نیش کو کسی نے وہاں میری موجودگی کی اطلاع دی تھی اور کہا تھا کہ وہ مزید مشوروں کے لیے بروٹل ٹی سے ملے۔“

”لیکن پھر خود ہی صدر سے جا کر بتا بھی دیا تھا کہ آپ خطرے میں ہیں۔“

”یہی چکر تو کچھ میں نہیں آیا۔“

”تو یہ بروٹل ٹی بھی ان لوگوں کا بیٹھ ہے۔“

”یقیناً۔“

”پھر اس کے لیے کیا کریں گے آپ؟“

”بس دیکھتے جاؤ۔ ابھی تو صرف وہ سینڈ فام نصرت ہوئے اس بارے میں جو ہماری نظروں میں آ گئے تھے۔ ویسے پتا نہیں اس اور کتنے ہوں گے اور کہاں کہاں ہوں گے؟“

”ہاں۔“

صدر اپنے مکان ہی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ گروٹر اس کی طاقت سے نہ تو خود کو بچا سکتا تھا اور نہ ہی اس کے ذریعے رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا۔ صدر کو اس نے پہلے چلنے کو دیا تھا کہ وہ اسے ہسپتال

کے فون پر کبھی مخاطب نہ کرے۔

آج صبح صدر نے سوچا تھا کہ خود ہی ایک ٹیسٹ رابطہ قائم کر کے پوچھ گا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے لیکن ٹھیک اس وقت جب وہ پائیں باغ کی گلیوں میں پانی دسے رہا تھا کہ گروٹر کی فیٹ پھانک سے گزر کر اس کے قریب ہی والی روش پراگتی۔ صدر کین رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آج تو وہ دوسرے ہی رنگ میں نظر آتی لیکن یہ رنگ بھی کچھ تھا۔ ہوشوں پر نزلہ پڑا تھا۔ اور بڑے گالوں پر روڑا باندھا تھا۔ اس کا استعمال کیا گیا تھا۔ سفید اسکرٹ اور بلڈوز میں تھی۔ ہاں کو سونوارنے میں اہتمام نظر آیا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ صدر نے قریب جا کر پوچھا۔

”اندر چلو۔ وہ گاڑی سے اترتی ہوئی مضمحل آواز میں کہتی۔“

صدر اسے مکان کے اندر لے آیا۔ وہ اس طرح صوفے پر گر پڑی جیسے ٹھکنے سے چور ہو۔

”کیا بات ہے؟“ صدر نے پوچھا۔

”میں بہت پریشان ہوں صدر۔ کوئی ایسا نہیں جس سے اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کر سکوں۔ تم بھی ملے ہو تو ایسے ہی۔“

”ایسے ہی کا کیا مطلب ہے؟“

”اول جلول... جیسے تمہیں کسی بات کی پروا ہی نہ ہو۔“

”یہ تمہیں کیسے کہہ دیا؟“

”میں نے تم سے کیسے کیسے کہا؟“

”وجہ جاننے کی فکر نہ ہوتی۔ تمہاری جگہ اور کوئی ہوتا تو خود ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کرتا۔“

”ارے یہ کیا؟“ صدر بے پروائی سے سنبا کیا میں نہیں جانتا کہ تم زندگی کی کیا نیت سے آسانی ہوئی ایک شریہ لڑی ہو۔ ویسے مجھے اپنے میک اپ پر اب کچھ ہنسی آرہی ہے، اور وہ منظر بڑا دلچسپ تھا جب میں نے اس شریف آدمی کو آگاہ کیا تھا کہ وہ خطرے میں ہے اور اس کی موجودہ قیام گاہ کا حکم دشمنوں کو ہو چکا ہے۔ وہ بے جا حیرت سے نہ نہ چارے منتظر رہا تھا پھر قبل اس کے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی سوال کرتا میں وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ آواز ہی دیتا رہ گیا تھا چاہا۔“

صدر نے خاموش ہو کر قہقہہ لگایا پھر سر ہلا کر بولا۔

”میں خوب سمجھتا ہوں۔“

”کیا سمجھتے ہو؟“

”نہ وہ خطرے میں تھا اور نہ کوئی اس کا دشمن ہے۔ یہ بھی

تھادی ایک شرارت تھی۔ تم یہ سوچ سوچ کر لطف لیتی رہی ہوگی
کہ وہ اس ہفتہ کی بنا پر شدید ترین الجھن میں پڑ گیا ہوگا۔
”اوہ“

”شاید آج پھر کوئی نئی شرارت سوچ کر آئی ہو چلو یہی
میں بھی لطف اندوز ہونے لگا ہوں۔ وقت اچھا گزرتا ہے۔
وہ ہونٹ جیسے ایک ٹنگ اسے دیکھتی رہی۔
”ہاں... ہاں... کہو... اب کیا کرنا ہے؟“

”کچھ بھی نہیں، اسے بھول جاؤ۔ وہ طویل سانس لے کر بولی۔
”خاموش ہے۔“ صدف سر ہلکے بولا۔ ”تم تیس یا دس گھنٹے کی
چیز تو ہوتی تھیں۔“

”میں بھی تھی کہ تم سے سب کچھ کر کے ہلکا کر لوں گی لیکن
تم غیر سنجیدہ ہو۔ وہ کچھ دیر بعد جراتی ہوئی آوار میں بولی۔
”اور تمہاری اداکارانہ صلاحیتوں پر ایمان لے آیا ہوں۔
”خیر تم کو۔ میں کافی پیوں کی مسلسل دوراتوں سے
باگ رہی ہوں۔ ذہن بظہر ہو کر رہ گیا۔ ایک گریٹ دینا ہے۔
”صدف نے سگریٹ کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔
”سنگا روٹ گزرو ڈیوٹی۔“

”صدف نے سگریٹ سنگائی کی اور وہ ہاتھ بڑھا کر اسے لیتی
ہوئی بولی۔ اب اس زندگی سے بھی بھر گیا ہے۔
”یہی ہوتا ہے جب شرارتوں کا اسٹاک ختم ہو جائے۔
”نرسیات میں بھی بخل ہی سے کام لینا چاہیے ورنہ ایک دن
ہو چنا پڑتا ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ اور پھر زندگی خشک پڑیوں
کا ڈھانچہ معلوم ہونے لگتی ہے۔
”کہا تم اس لفظ شرارت کو کچھ دیر کے لیے ذہن سے غور
کرو گے؟“

”صدف نے لہجہ کی نظروں سے اسے دیکھتا رہا جیسے اس بجے
کا غم وہ لگ رہی ہو۔
”میں ایک غلام لڑکی ہوں۔ مجھے اس کام پر مامور کیا گیا
تھا کہ میں اس آدمی کا ہار لادوں۔ میں نے طریق کار کے لیے تجربے
کے طور پر تیس آٹا کار، ہالامہ میں سے سوجا تھا کہ تم جیسے تین چار
جوانوں کو اسی وقت کے ساتھ ساتھ لے کر آؤ گے۔ اس آدمی کو
تلاش کر لوں گی لیکن اٹھائی صحت تم سے ہی کام چل گیا اور
وہ بھی بہت تھوڑے وقت میں۔“

”تو کیا وہ تھوڑے وقت میں؟“
”ہاں صدف نے نہیں۔“

”تم غلام کو لے ہو، اور تمہیں اس کام پر کس نے مامور کیا؟
”میں نہیں صرف اپنی مظلومیت کی داستان سنا سکتی
ہوں۔ یہ میرے فرشتے بھی نہ بتا سکیں گے کہ میں کس کے غلام
شکار ہوں۔“
”تم کیوں نہ بتا سکو گی؟“
”میں نہیں جانتی کہ وہ کوئی فرد واحد ہے یا کوئی تنظیم۔“
”صدف کچھ نہ بولا۔“

وہ کہتی رہی۔ اس وقت کو یاد کرو جب تم مجھے نروانی بیچ
لے جا رہے تھے اور تم نے جاکو نکالا تھا۔ میں نے تمہاری آنکھوں
میں اپنی موت دیکھی تھی اور مجھے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ کالے
پٹے یا سفید جسموں میں دوڑنے والا خون ایک ہی رنگ رکھتا
ہے۔ زمین پر بہتے ہوئے خون کو سمجھوں گی رنگت کے اعتبار
سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایسے ذہنی چنگ سے دوچار
ہوئی تھی، اس وقت جس نے میرے جسم سے وہ کھال اتار دی
جس پر رنگ و نسل کی تمہیں تھی ہوئی تھیں لیکن پھر بھی فیصلہ
ذکر پائی کر گئے کہ ان کو ناپا پیسے۔ اسے دیکھ کر آئی اور اسی ذہنی
انتشار کے عالم میں اس آدمی کو آگاہ کر دیا جسے تمہارے دکھانے
ہوئے آدمی سے پیشا تھا لیکن پھر وحشت اس قدر بڑھی کہ
تمہارے پاس دوڑی آئی کہ تم کسی طرح اسے آگاہ کرو، اسے
”اوہ وہ خطرے میں ہے۔ وہاں سے جاگ چلے میں نہیں
جاتی کہ اس کا کیا حشر ہو لیکن ان دونوں آدمیوں کا حشر
میری آنکھوں کے سامنے ہے جو اس کے لیے گئے تھے۔“
”ان کو کیا ہوا؟“

”کیا تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا، وہ تصویریں نہیں
دیکھیں، کھڑکیں اٹھی ہوئی دین اور دولا شوں کی تصویریں؟“
”کی گروں ٹوٹ گئی تھی اور ایک کی ریڑھ کی ٹہری؟“
”اوہ... ہاں، میں نے خبر پڑھی تھی۔ پولیس کا خیال
سے کہ ان دونوں نے بہت زیادہ بڑھ چکی تھی۔ ڈراؤ گے نہ الا
اس مقام پر گاڑی کو نہ سنیاں اسکا اور وہ کھڑکیں ہاڑی
”لیکن وہ ہماری ہی تھی کہ وہ دونوں اتنی زیادہ لڑکھا
ہوئے۔ انھیں ایک آدمی کو زبردستی قابو کرنے کے وہاں سے لے آئے
”لیکن سنو تو یہی، ان مرنے والوں میں سے ایک تو ب
بڑا آدمی تھا۔ خود پولیس کی ملوث میں اسے ایک چالاک اور
قانون شکن دکھا گیا ہے۔ ایسے آدمیوں کا کیا شک
”کچھ بھی ہو، وہ غلام یا یہ جانا چاہتے ہیں کہ ہمارا
۱۱۱

”کویش کیا؟“
”ارے بھئی ایسے پیش آیا ہوگا جیسے پولیس نے بتایا ہے،
اختیار والوں کو۔“
”لیکن وہ لوگ اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ ان کا خیال
ہے کہ یہ حرکت اسی آدمی کی طرف سے ہے۔ اس نے کسی طرح آپس
قابو میں کسے ختم کر دیا اور پولیس کو غلط راہ پر ڈالنے کے لیے
گاڑی کھڑکیں گاڑی گئی۔“
”تو تمہارا یہ مطلب ہے کہ اس نے نہیں پکڑنے کے بعد
زبردستی شراب پلائی ہوگی؟“
”ہو سکتا ہے۔“

”ارے جاؤ صورت سے بالکل بچنا اور دھیلا ڈھالا
آؤ معلوم ہو جاتا تھا۔“
”وہ ایسا ہی ہے۔ مجھے خاص طور پر ہدایت ملی تھی کہ بہت
کچھ کام کروں۔ جو کچھ وہ نظر آتا ہے حقیقتاً اس کے پاس ہے
”تو تمہارا یہ کیا کر دوں؟“ صدف نے کہا اور پھر اچھل
پڑا۔ اب اس کی آنکھوں سے خون نہ نکلا رہا تھا۔ چند گھنٹے
لڑوڑ کے پھر بے پروا نظر جانے لگے۔ بعد میں کبھی کسی نے
اسے ساتھ بولا۔ ”میں تم مذاق کر رہی ہوں۔“
”میں سنجیدہ ہوں صدف۔“

”یعنی تم نے مجھے ایسے پکڑیں جہاں دیا ہے جو
لوہست انداز پولیس ہے۔“
”ہاں ہے تو لیکن تم اس سے بے فکر ہو کیونکہ پولیس
عامانہ کو اس روشنی میں لے رہی ہے جس کا خدشہ نہیں
”ہے۔“
”پھر بھی یہ تم نے کیا کیا کر ڈھوڑ؟“

”میں اس پر بھی نادم ہوں لیکن اس وقت میں کچھ اور
مہم تھا کہ وہ دے ڈالے تھے اب کچھ اور ہوں۔ جوش میں
اور یہ سوچ سکتی ہوں کہ کالے یا سانلو جسموں میں پہنے
”ان ہمارے خون سے مختلف نہیں ہوتا۔“
”ہاں بس! خدا کے لیے اب مجھ سے نہ متنا۔“
”میں اس لیے آئی تھی کہ صدف تم مجھے ہماری کاغذ پر
”ہے۔“

”اسے میرے تو اس غائب ہو گئے ہیں۔ یہ سب کچھ
پولیس گئی ہو رہی وہم رہی۔“
”اگر تم نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا تو پھر میری زندگی خطرے
”میں۔“

”میں پڑ جائے گی۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔“
”کیوں؟ کیا مطلب؟“
”کسی بھی جوان آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی
کہ وہ کسی جوان اور حسین لڑکی سے جو قابل حصول ہوا چاہا
قطع تعلق کر سکے گا۔“
”اچھا تو پھر؟“

”وہ بھی نہیں گئے کہ تم حقیقت سے آگاہ ہو گئے ہو اور
یہ آگاہی میرے ہی توسط سے ہوئی ہوگی۔“
”پھر بھی پھر مجھے تو بھارت ہی لگھو۔“
”نہیں اس وقت میرے ساتھ باہر چلنا پڑے گا۔“
”اسی تو تم کافی پہلے کو کہہ رہی تھیں۔“
”ہم کیوں باہر نہیں گئے؟“
”بھٹو! میں تمہارے ساتھ باہر نہیں جاؤں گا۔ صدف
اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم یہیں کافی بیٹو گی۔“

”اس نے اسے ڈراٹنگ روم ہی میں چھوڑ کر کون کاٹنے لگا۔
ابھی کیتلی میں بیٹھی تھی ڈالا تھا کہ وہ بھی موجود تھی۔
”تم آخر میری بات مجھے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟“
”پہلے کافی پھر باتیں، میں بھی ذہنی شکن محسوس کر
رہا ہوں۔“

”پھر کافی کا دور خاموشی ہی سے چلا اور اس کے بعد وہ
سگریٹ شنگا کو صوفوں پر نرم دبا رہے گئے۔
”صدف نے محسوس کیا کہ گزرو ڈکا اٹھلا پہلے سے بھی
کچھ زیادہ بڑھ گیا ہے۔“
”کیا تمہیں نیند آ رہی ہے؟“ اس نے اس سے پوچھا۔
”سرنگار دیا ہے۔“

”تم بیدارم میں جاسکتی ہو۔“
”نہیں میں جگے نہ بنا جاتی ہوں۔ پتا نہیں کیوں ایسا
محسوس ہو رہا ہے کہ اگر آگ لگ گئی تو پھر دوبارہ بیدار نہ ہو سکوں گی۔“
اس دوران میں تم نے بہت زیادہ جاسوسی ناول پڑھ
ڈالے ہیں شاید امیر مشورہ ہے کہ تم آرام کرو لیکن تم نے کچھ
ابھی تک اپنی مظلومیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟“
”کیا یہ میری مظلومیت کی کہانی نہیں ہے کہ سونا چاہا اپنی
ہوں مگر سونہ نہیں سکتی۔“

”یہ مظلومیت نہیں بلکہ تمہارا دم ہے۔“
”ادھم کے بھی کچھ اسباب ہوتے ہیں صدف! یہ خود رو

تو نہیں ہوتے۔

”تم بتانا نہیں چاہتیں؟“

”کچھ دن تو اور جی لینے دو۔ مجھے دہسے کہ کس تم کسی پولیس والے سے ساز باز کر بیٹھو۔“

”میں بھی سوچ رہا تھا۔“

”اس چیز میں بھی نہ پڑنا۔ میرے خلاف کچھ بھی نہ ثابت کر سکو گے۔“

”یہی سوچ کر تو خاموش رہ جانا پڑا ہے۔“

”خاموشی بھی نہیں بہتری ہے۔ کسی سے بھی ان واقعات کا تذکرہ مت کرنا۔“

صفر کچھ نہ بولا۔ وہ خلاص گھوڑ رہی تھی۔ بار بار اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگی جیسے نیند کے دباؤ کے خلاف جدوجہد کر رہی ہو۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا: ”تیس میری خاطر ہے ایک بار اور اس سب تک جانا پڑے گا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ آدمی اب بھی ویسے ہی نہیں۔ بس دور ہی سے اندازہ کر کے واپس آ جانا۔“

”آخر کیوں؟“

”میں انہیں جواب دہ ہوں صفر۔ مجھے ہی حکم ملا ہے کہ تیس وہاں پہنچ کر معلوم کروں کہ وہ اب بھی وہیں موجود ہے یا نہیں۔“

”فرض کرو میں واپس آ کر تمہیں کوئی غلط اطلاع دوں! مجھے اس سے سروکار نہیں۔ میں تو انہیں مطمئن کرنا چاہتا ہوں کہ تم میرے کہنے کے مطابق کام کر رہے ہو۔“

”تمہاری تو خطر ہے۔ میں نہیں پڑے گی۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ اس بار کوئی نہ کوئی کہہ کر یہ ضرور دیکھے گا کہ تم وہاں جلتے بھی رہو۔“

”میں طلبہ میں ہوں گا۔“

”لیس صرف ایک بار اور میں اس سے بچنے بتا دیا ہے۔ اگر وہ جیل کا۔“

”بتاؤ۔ کیا۔“

”تم میرے جانے کے بعد سو جاؤ گی۔“

”اوہ! تمہیں اتنا خیال ہے میرا۔“

”پپ... پتا نہیں لیکن میں بھی اپنی اپنی جاکو والی حرکت پر کافی پشیمان رہا ہوں۔“

”چھوڑ دو۔ وہ پشیمانی ہیسی کے ساتھ بولی نہ سی حرکت نے تو مجھے نجات کا راستہ دکھایا ہے۔ اچھا میں وعدہ کرتی ہوں کہ سو جاؤ گی۔“

یہ لو ایک کچی تم اپنے پاس رکھ کر روڈ دروازہ اندر سے مقلقل کر لیتا واپس پریش دوسری کچی سے قفل کھول لوں گا۔ صفر جانتے جانتے تیل فون کی لائن ڈیڑ کرنا نہیں چھوڑا تھا۔ عین محسوس تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے کال آجاتی۔ گھر میں اور ایسی کوئی دوسری چیز نہیں تھی جس کی بنا پر گر وڈ اس کے بارے میں کچھ معلوم کر سکتی۔

وہ نروانی بیچ کی طرف رواں ہو گیا۔ چونکہ گر وڈ نے تمام کے امکانات کے بارے میں پہلے ہی بتا دیا تھا اس لیے اس نے اس نے ایک ٹوکھ ملنے کرنے کے لیے کسی ٹیلی فون بولتھ کا رٹ نہیں کیا۔

تین چار میل ہی کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسٹانڈا ہو گیا کہ ایک شکستہ حال کی پانی گاڑی اس کے پیچھے لگی ہے۔ اس نے عقبت غائبی کی پوزیشن ایسی کر دی کہ گاڑی نظر آتی رہے۔

بہر حال وہ گاڑی کچھ فاصلے پر برابر دیکھی جاتی۔ یقین کے لیے صفر نے ایک جگہ اس کو روک دیا اور اس سے ٹکا کر ایک دکان سے سگٹ خریدنے لگا۔ اس سے دیکھا تو وہ گاڑی کچھ آگے بڑھ چکی تھی لیکن پھر ہوتی۔ سگٹ کے گروہ پھر اس کو ٹری طرف آیا۔ تو دانی گاڑی تقریباً سو گڑ کے فاصلے پر رکی تھی اور گاڑی کو چھپے پتے پر بٹھو کر میں مار رہا تھا۔ صفر نے اندازہ کیا اور اس گاڑی کو پیچھے پھوڑنا چھوڑ کر وہاں پھر نہ لایا۔

گنگ گیا۔ ذرا ہی سی دیر بعد وہ گاڑی پھر دکھائی دی۔ پھر ہی کی سی رفتار سے اس کے پیچھے چلی آئی۔

صفر اس ہٹ تک پہنچ گیا لیکن اس کو پھر پر جا کر روکا۔ انجین بند کر دیا اور خود ان کے رہا پھر ٹہلنا ہوا اس ہٹ کے سامنے آنا ہوا پڑا اس قفل دور ہی سے دیکھا۔

جانب والی دھلان پر وہ گاڑی بھی کھڑی دیکھی جو اس کا تعاقب کرتی رہی تھی۔ ذرا نیچر اسٹیزنگ کے سامنے ہی بیٹھا سگٹ پڑا تھا۔ صفر چند لمحے ہٹ کے سامنے کھڑا رہا پھر اپنے سکون کی طرف چل پڑا۔

راپسی کے سفر میں اسے وہ گاڑی نہ دکھائی دی اور وہ سوچتا رہا کہ گر وڈ نے اسے کسی دوسرے جال میں پھانسنے کے لیے تو یہ سب کچھ کیا۔

بہر چند کہ وہ گاڑی اب نہیں دکھائی دیتی تھی لیکن صفر نے اب بھی مناسب نہ سمجھا کہ راستے ہی میں کیوں رگ کر بدر ایہ فون ایکس کو اس واقعہ سے مطلع کر دے۔

گھر پہنچا تو صفر دروازہ مقلقل ہی ملا۔ قفل کھول کر اندر آیا۔ خواب گاہ میں جہانکا گر وڈ اس کی مہتری پر بے خبر سو رہی تھی۔

پپ

مورلی فرام عمران سے کہہ رہی تھی ”مشریگ! کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس وقت کیا چاہتی ہو؟“

”تم چاہتی ہو... چاہتی ہو...“ عمران ناک ٹھوں پر زور دیتا ہوا بڑبڑایا ”غالبا یہ چاہتی ہو کہ کچھ جلا جاؤں۔“

”قلقلی عطا... میں کبھی نہ چاہوں گی! حقیقتاً میری خواہش ہے کہ تم میری ایک تجویز مان لو۔“

”تجویز؟“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”وہاں... ہاں...“ مورلی نے آہستہ سے کہا ”میں بہت صلح گئی ہوں۔ مجھے ایک مددگار کی ضرورت ہے۔“

”اچھا تو پھر؟“

”تم کیا کر رہے ہو گے؟“

”میرا یہاں کے خاندانی لوگ کسی کی ملازمت نہیں کرتے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”میں تو اب مرزا قنڈر بیگ کا لواسا اور لوہا خیل الٹک ہوں۔“

لیکن وہ ذرا غمناک کہاں تک تمہارے شایان شان رہا ہے۔ میں کی وجہ سے تم پولیس والوں کا سامنا کر رہے ہو۔

”میرے اس لیے سوٹ کر رہا ہے کہ سیاہی زیادہ بھی ہوں۔“

”اپا پھر گری تھا۔“

”مفتول باتیں چھوڑو، سنبھل گئے غور کرو اس پر۔“

”زندگی بڑی ہے غور کرنے کو ابھی اسی وقت کی ضرورت ہے۔ میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم اتنی پریشان کیوں ہو۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ تم ادھر ادھر کی باتیں کر کے کسی خاص چیز کو اپنے ذہن سے نکال بیٹھنا چاہتی ہو۔“

وہ کچھ نہ بولی پھر غصہ سی مسکراہٹ ہونے لگی اور ہوتی اور اس نے کہا۔

”ہاں! میں پریشان ہوں۔ کل مجھے ایک لاش شناخت کرنی پڑی تھی۔“

”لاش؟“

”ہاں! ان اٹھوں میں سے ایک آدمی نوٹل ڈیوڈ کی لاش۔“

”اوہ... تو میرا یہ خیال درست نکلا کہ لقیہ سات اس کے قابل تھے۔“

”میں اسے قتل نہیں کیا گیا! ایک پٹن فیاض نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی موت سانپ کے کاٹنے سے واقع ہوئی تھی۔“

”لاش کہاں ملی تھی؟“

”کسی جنگل میں۔ مجھے نام یاد نہیں رہا۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”وقت ملازم نے آفس میں داخل ہو کر کسی کا نام بتایا۔“

”اوہ! وہ آہستہ سے بڑبڑاتی۔“

”اُس نے دو“ عمران نے کہا۔

”روٹی مل ایک طویل القامت اور کھیلے حکم کا آدمی تھا۔“

”آنکھوں پر بھیجی ہوئی سمجھ اس کی طبیعت کی سخت گیری کا پتہ دیتی تھیں۔ جب بڑے بھاری تھے۔“

”سناسپے پولیس نہیں لے گئی تھی؟ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔“

”مجھے نہیں لے گئی تھی بلکہ مجھ سے ایک لاش کو شناخت کرنے کی درخواست کی تھی۔“

”لاش... کسی کی لاش؟“

”بیڑہ جاؤ، ایسی بھی کیا فکر مندی۔“

”تھیک ہے... تھیک ہے۔“

”ہوا والا۔“

”مرنے والا کلب ہی کا ایک ممبر تھا نوٹل ڈیوڈ۔“

”ہاں تو اُسے کیا ہوا؟“

”پتا نہیں۔ میں نے اس کی لاش دیکھی تھی مزہ خندانہ۔“

پر پہنچی کہ نافرمانی طور پر میں بھی وہاں کے انقلاب کا ایک ذریعہ بنی تھی اب یہاں بھی غالباً یہی چکر ہے۔

وہ خاموش ہو گئی اور کچھ دیر بعد بولی: اب بھی مجھے نہیں ہے سس... پھر دہرا ہوا: صفر نے جھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

”مجھے حقیقتاً کسی کام پر مامور کیا گیا ہے کہ مقامی آدمیوں کو پھانس پھانس کر انہیں تنظیم کے لیے کام کرنے کے قابل بنادوں۔“

”تو... یعنی... کہ... تہ... تم مجھے... پھانس رہی ہو؟“

صفر کی ہکلاہٹ پر وہ بے تحاشا ہنس پڑی۔

”تہ... تم ہنستی ہو؟“

”بہت زیادہ اتر گیا ہے تم میری کہانی سے! کہیں“

یو کھلا ہٹ میں پولیس کو حلقہ کرنے نہ دے دیا جانا۔

”پھر بتاؤ میں کیا کروں؟ تم مجھے پھانسنے پر مجبور ہو، اور... میں!“

”تمہیں کیا مجبور رہی ہے؟ یہ شہر ہی چھوڑ دو۔ میں نے اس سلسلے میں جو بھی کمزوری دکھائی وہ وقتی تھی۔ اب میں نے اپنے اعصاب پر قابو پا لیا ہے۔“

”کتنے کی موت میرا مقدر ہے اور میں اس کی منتظر ہوں۔“

”یعنی... یعنی... تم اب بھی... ان کے لیے کام کرتی رہو گی؟“

”ہاں... میں مجبور ہوں۔“

”تم خود ہی پولیس کے پاس کیوں نہیں جلی جاتی؟“

”میرا تعلق ایک ملٹی مشن سے ہے اور مشن سے تعلق...“

”اور میں اس تنظیم سے بھی تعلق نہیں رکھتا اس لیے...“

”اور میں اس تنظیم سے بھی تعلق نہیں رکھتا اس لیے...“

”ایک تہذیبی گھمبیر میں آئی ہے۔“

”کیا...“

”تم اس آدمی کا پتہ لگاؤ جس سے تمہیں احکامات ملتے ہیں۔ اُسے ختم کر دو گے۔“

”ہاں... وہ تہذیبی...“

”پھر یہ کیا ضروری ہے وہی اس تنظیم کا حقیقی سربراہ ہو؟“

”اچھا تو یہی بتاؤ کہ وہ بیانات تمہیں کیسے پہنچا رہا ہے؟“

”شاید پیغام رسائی کا ذریعہ ہی اس تک پہنچنے کا سبب بن سکے۔“

”فصل زلچا وہ دماغ کو... یہ بالکل نا ممکن بات ہے۔“

”تم نہیں بتانا چاہتیں۔“ صفر نے برا سائمن بنا کر کہا۔

”سچ... وہ تہذیبی...“

”ہاں... مجھے اس کے بیانات میں اتنی سیڑھیوں پر موصول ہوتے ہیں۔“

”تب مجھے حیرت ہے کہ ہمارے یہاں کا کھنڈر سرخ و سالی کیا کور ہے؟“

”اس کے پاس یقیناً ایسے ڈولے موجود ہوں جن سے ٹرانسمیٹرز کی آواز سنائی دے سکتی ہے۔“

”ہو نہ... کیا تم اور عہداتی پولیس دنیا کے ترقی یافتہ ملک میں بھی ہمارے مخصوص ترین ساخت کے ٹرانسمیٹرز کی آواز سن سکتے ہو؟“

”جی ہاں... یہ بات ہے۔“

”کوئی بات ہے۔“

”کوئی بات ہے۔“

”کوئی بات ہے۔“

”کوئی بات ہے۔“

”کوئی بات ہے۔“

”کوئی بات ہے۔“

صفر اس کے خاموش ہوجانے پر کچھ نہ بولا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

”لیکن ایک بات ہے۔“ صفر نے کچھ دیر بعد کہا۔ اگر وہ کسی طرح روپیہ مل لو لیس کی گرفت میں آجائے اور خود ہی اگلے دن کے وہ تمہارے لیے کام کرنا رہے تو پھر کیا ہوگا؟“

”اس صورت میں یقیناً دھری جاون کی لیکن یہ بات مجھے“

”مک ہی ختم ہو جائے گی۔ پولیس اس تک نہیں پہنچ سکتی جو مجھ سے کام لے رہا ہے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ صفر نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

”لیکن روپیہ مل جیسا درندہ بھی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ اُسے روپیہ پیسے کی ہوس نہیں ہے۔ بہت بڑا سرمایہ دار ہے۔ وہ تو میرے لیے سب کچھ کر رہا ہے۔ سفید ہم روٹیاں اس کی کمزوری ہیں۔“

”تو تم... یعنی کوئی... بھی...“

”صفر کے لیے میں بے حد“

”مخاملاً تھا۔ وہ جلدیوار کر سکتا۔“

”ہاں... میں بھی...“

”گھر ڈھیر سا لگ رہا ہے۔“

”گھر سے معاشی میں خونی کاروارا پکانی کے معیار اگلے“

”لگ رہا ہے۔“

”تم کو کسی ایسی عورت کو برداشت نہیں کر سکتے جس کے تعلقات کسی دوسرے مرد سے صرف دوستی کی حد تک“

”لوں نہ ہوں۔“

”بالکل... بالکل!“

”خیر ختم کرو ان باتوں کو۔ میں تو تمہیں صرف یہ بھیانا چاہتی“

”ہی کہنا تھا کہ وہ دنوں کے لیے اس شہر ہی سے چلے جاؤ یا بہت“

”کا رہو۔“

”کا رہو۔“

”کا رہو۔“

”ٹھیک ہے... اور اب ایلڈ آل“

”عمران نے کہا اور ڈائریٹر کا سوچ آ کر دیا۔“

”کون کسے لا رہی ہے؟“

”بلیک ڈیرو نے تھوڑا سا لپٹا لپٹا“

”جولیا نافٹرو واٹر روٹی مل کو یہاں لا رہی ہے۔ میں نے نہیں روپیہ مل سے ملاقات کے بارے میں بتایا تھا۔“

”جی ہاں! آپ نے تذکرہ کیا تھا اور آپ کی حیثیت مرزا“

”نیم بیگ کی تھی۔“

”جولیا اس سے میری سکرٹری کی حیثیت سے مل ہوگی۔“

”صفر کی رپورٹ تو تم سن ہی چکے ہو گے۔ اس کے بارے میں کہ“

”سفید فام لڑکیاں اس کی کمزوری ہیں لہذا جولیا نے اس سے“

”بزنس کی باتیں کی ہوں گی اور اب اسے مال دکھانے یہاں لا“

”رہی ہے۔“

”یہاں۔“

”بلیک ڈیرو کے لیے میں حیرت تھی۔“

”فانسیہ کے کاب وہ یہاں سے زندہ تو واپس جا نہیں“

”سکتا اس نے کھڑے کچھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔“

”میں نے آپ کو اس طرح بھی کشت و خون پر لاد دیا ہے۔“

”ملک کا مفاد اسی میں ہے۔“

”بلیک ڈیرو کچھ نہ بولا۔ ان دنوں اسے عمران کے پہرے“

”پر حاکم کے“

”بلیک ڈیرو کے“

جو کہ صبر نہ کر سکا اس کے ساتھ دیکھا تھا کہ وہ کیا تو اسے کچھ نہ بچھڑانا ہی پڑا۔

دفتر سے خاموش ہو جانا پڑا۔ شاید یہ اطلاع گھنٹی ہی کی آواز تھی۔ وہ اٹھتا ہوا بولنا کام بن گیا۔ روپیہ مل ڈیپاننگ روم میں موجود ہے۔ پھر صرف عمران ہی وہاں سے اٹھ کر ڈانگ روم میں داخل ہوا۔

روپیہ مل سہجے ہی صوفے پر نیم دراز تھا۔ عمران پر نظر پڑے ہی چونکا۔ دروازہ عمران کی پشت پر بند ہو چکا تھا۔ روپیہ مل کسی طرح اٹھ گیا جیسے صوفے کے اس پر ٹکڑے نے اچھال دیا ہو۔

”تم... تم... میں شاید تمہیں پہچانتا ہوں۔“ اس نے بول کھلائے ہوئے لہجے میں کہا پھر چہرے پر ایسے آثار نظر آئے جیسے خود اسے اپنی یہ جلد بازی یا اضطراب کی کیفیت لینڈ نہ آئی ہو۔ ”اسی لیے تو تم یہاں نظر آرہے ہو؟“ عمران نے غصے سے کہا۔

”آواز میں جواب دیا۔“

”کیا مطلب؟“

”میں تم سے کمزور نہیں پڑوں گا کچھ۔“

”نعرش اور تمہارے سکریٹری کو میں نے ہی ٹھکانے لگایا تھا اور میں بالکل تنہا تھا۔“

”تو... تو... وہ... تم تک پہنچ گئے تھے۔“

”پہنچ گئے ہوتے تو اس حال کو کیسے پہنچتے؟“

”میں کہ پھر وہ تمہارا ہی آدمی ہو سکتا ہے جس نے کروڑوں بار سے میں مطلع کیا تھا۔“

”بھلا یہ خیال بھی درست ہے؟“

”اگرچہ مجھے یہاں اس طرح کیوں ملوایا گیا ہے؟“

”اگرچہ وہ تمہارے کو تم اب تک اس لڑکی کے لیے...“

”...“

”...“

”کہاں دفن ہے؟“

”اوہ... قتل کرنے کی دھمکی؟“

”دھمکی نہیں بلکہ یہ ایک اہل ارادہ ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ تمہارے زبان کو سنے پر میں اپنا تبدیل کر دوں۔“

”تم ہو کیا بلا؟“ روپیہ مل اٹھتا ہوا بولا۔ اب میں ایسا بھی ہو جاؤں کہ تم جیسے لفظوں کی دھمکی میں آ جاؤں۔“

پھر اس کا منہ اٹھا ہی رہ گیا اور اس کے گرد بیان پر ایک ہی جھٹکا اسے منہ کے بل فرش پر لے آیا۔

ابھی وہ اٹھنے نہیں پایا تھا کہ اس کے بال عمران کی گرفت میں آ گئے اور اس نے اسے اس طرح جھٹکا دیا کہ وہ پھر اسی صوفے پر جا پڑا لیکن دم غم نہ دی تھے۔ پھر اٹھا اور عمران پر جھپٹ پڑا۔

اس بار عمران کا ہاتھ اس کی گدی پر پڑا تھا۔ روپیہ مل نے کوشش کی تھی اس بار زمین نہ دیکھنی پڑے لیکن یہ کوشش اسے کئی قدم آگے بڑھانے لگی اور اس کا سر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

”میں نہیں گفتگو کرنے کے قابل دیکھتا جا بستا تھا۔“

”نہ اس کے دوبارہ اٹھنے سے قبل ہی پرسکون لہجے میں کہا لیکن اگر تم چند گھنٹے بے ہوش رہنا چاہتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“

”روپیہ مل کچھ نہ بولا۔ اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔“

”بانپ رہا تھا اور خود بخود نظروں سے عمران کو گھوڑے جا رہا۔“

”وہ عورت کہاں ہے؟“ بلاخر کچھ دیر بعد پوچھتا ہوا۔

”وہ آدمی کہاں ہے جس نے فریڈر اسے براؤن میں غیب سے لے لی تھی؟“

”انھیں بھول جاؤ میرا کاروبار بہت وسیع ہے۔“

”اب پانچوں کو تمہاری لالچ کہاں لے گئی ہے؟“

”پ... پانچوں کو...“ وہ کھلا کر رہ گیا۔

”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“

”تمہیں ان کے بارے میں کیا ہدایات ملی تھیں؟“

”اب روپیہ مل کی حالت میں کافی تبدیلی نظر آ رہی تھی۔“

”غیظ و غضب آہستہ آہستہ رخصت ہو گیا۔“

”میں حیرت اور خوف کے تلے اپنے آثار صاف پریشان تھے۔“

”میری بات کا جواب دو۔“ عمران پھر مڑا۔

”اس نے کہا تھا کہ وہ ساحل سے بیٹھ گیا۔“

”جہاز تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتا۔“

”لا لچ انھیں پہنچا کر واپس آگئی تھی؟“

”ہاں! واپس آگئی تھی۔“

”جہاز کا نام بتاؤ۔“

”میں نے معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔“

”حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم نے ایک خلاف قانون حرکت کی ہے۔“

”اب جو کچھ مجھے پتہ ہے۔ روپیہ مل نے سب پر وائی کا انداز اختیار کرنے کی کوشش کی۔“

”اس کی سزا جانتے ہو؟“

”اوہ! تم اس کی پروا نہ کرو۔ قانون میری جیب میں رکھا رہتا ہے۔“

”تم نے مورچی فراہم کر کیوں دیکھا دی تھیں؟“

”اوہ! اب سمجھا۔ اتویہ سب کچھ تم اس کی ہمدردی میں کر رہے ہو؟“

”میری بات کا جواب دو۔“

”کیا میں تمہارا پابند ہوں؟“

”پھر ہنسنے لگے۔“

”اوہ! تم ہو کیا چیز؟ میں جانتا ہوں کہ پولیس سے بچتے ہو۔“

”لیکن تم پولیس سے فرار کرنے کے لیے زندہ نہ نہ سکو گے۔“

”میری باتوں کے صحیح جواب نہ دیے۔“

”یہ دھمکی ہے... جان سے مار دینے کی دھمکی۔ کیا یہ یوٹائیٹی؟“

”قانون کے محققوں کو کبھی بھی اپنی عقل بھی استعمال نہ پڑتی ہے۔“

”تم قانون کے محافظ۔“

”میں تم سے جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔“

”روپیہ مل سختی سے ہونٹ پیچھے اسے گھورتا رہا۔“

”عمران نے فون کے کزنل سے ریموٹر اٹھا کر مادہ پیش کیا۔“

”بیلو... بیلو... کوئٹے دھکاؤ اور میں چار...“

”تیار ڈالو۔“

”کیا مطلب؟“ روپیہ مل بول پڑا۔

”مطلب یہ کہ تم جہاں قریب میں مجھے سے کم ہو۔ عمران نے لڑکھائی پر دیکھتے ہوئے کہا۔ تم سے جیسا براؤن متاثر سب...“

”کرسکتا ہوں۔“

”تم آخر جانتے کیا ہو؟“

”خبر معلومات۔“

”ہاں... ہاں... میں نے مورچی فراہم کر دھمکی دی تھی کہ اس کے گھر سے بیویا کے متعلق پولیس کو اطلاع دے دوں گا۔“

”اچانک ہی اس دھمکی کی کڑی سوجھی تھی؟“

”مگر روڈ نے مجھے سے ایسا کرنے کو کہا تھا۔ میں نے وجہ بھی نہیں پوچھی تھی۔“

”اب بارو سے رینڈ کی طرف آؤ۔ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ تم اسپتال میں آئے دیکھتے گئے تھے۔“

”ہاں! ہاں! کیا تھا۔ پھر بس میں اس کی عیادت کو گیا تھا۔“

”اور اس کے لیے بھی تم سے گروڈ ہی نے کہا تھا؟“

”جب تم سب کچھ جانتے ہی ہو تو پھر اس طرح اعتراض کرنا کی کیا ضرورت ہے؟“

”جب وہ یہاں آیا تھا تو اس کے ساتھ ایک بھی کتا نہیں تھا۔“

”تو پھر میں کیا کروں؟“

”سلاخیں سڑنے ہو گئی ہوں گی۔“

”میں کہتا ہوں مجھے جانے دو ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔“

”میں نے اتنی محنت بلا وجہ نہیں کی روپیہ مل۔ میںیں بہتر کرنا پڑے گا کہ وہ کتے بھی تم سے برا فخر کے تھے۔ میں جانتا ہوں نہیں کتوں کا شوق ہے اور تمہارے پاس درجن کتے ہیں۔“

”ارے تو تم میرا کیا بگاڑو گے؟ اعتراض کر کے ہاں دے دیتے ہیں۔“

”اس کے حوالے کیوں کر دیے تھے؟“

”میری مرضی! میری خوشی۔“

”بہت ہی عمدگی سے انھیں ٹریننگ دی گئی ہے تمہاری اس صلاحیت کا معترف ہوں۔ کمال ہے۔ یعنی شراب پلا کر جویات ان کی کھوپڑی میں اتار دی نہ اترنے تک سچی رہی۔“

”روپیہ مل کچھ نہ بولا۔ عمران اسے ٹھوڑی دیر تک گھورتے رہنے کے بعد پھر بولا۔“

”غالباً اس کے لیے بھی گروڈ ہی نے کہا ہو گا لیکن روپیہ مل اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ تم نے مضحکہ خیز اسیم کا مقصد معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو گی؟“

”اس نے مجھے مقصد سے آگاہ نہیں کیا تھا۔“

”تو وہ لڑکیوں ہی نہیں انگلیوں پر چلتی رہی ہے۔“

”اپنی سکریٹری کو بلاؤ۔ میں اس کی انگلیوں پر بھی ناپنے کو...“

تیار ہوں۔
 میں غریب آدمی بھلا اتنی عمدہ سرکاری کہاں سے رکھ سکتا ہوں۔ وہ تو بس ادھار آتی تھی۔ عورتی دیر کے لیے میں جانتا ہوں کہ کوئی خوب صورت لڑکی نہیں بہت میں بھی چھلانگ لگا دینے پر بھی آمادہ کر سکتی ہے۔
 میں اچھی طرح جانتا ہوں یہ سب کچھ مورلی فرام کی طرف سے ہو رہا ہے۔ تم اس کے ایجنٹ ہو۔
 بہت بُرا کیا تم نے جو اس سے اُچھے۔ عمران اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔
 جب وہ دوسروں سے کاروبار کرتی ہے تو پھر مجھ میں کون سے کیڑے پڑے ہیں؟
 اور یہ بات بھی تمہارے ذہن میں گررڈ ہی نے بٹھائی تھی کہ وہ اس قسم کا کاروبار کرتی ہے۔
 اس کی معلومات بہت وسیع ہیں۔
 گررڈ سے کب سے جان بچاؤ ہے؟
 جب سے وہ یہاں آئی ہے۔
 اس کے لیے تم نے اور بہت سے ایسے ہی کام کیے ہوں گے؟
 مجھے یاد نہیں۔ وہ پی کل نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔
 تمہیں اپنی یادداشت پر زور دے کر پوری داستان یاد دلا رہی ہے۔ نکو ڈالو، اسٹیشنری میں بہتا کروں گا۔
 (الاء طلب ہے۔)
 مہم کب رہا ہوں۔ تمہیں یہیں رہ کر پوری روداد یاد دلانی چاہیے۔ اس میں خواہ دس سال لگ جائیں۔
 میں کاہل ۱۶ عمران نے اٹھ کر سوچ کر روڈ کے پار پار ہوتے ہوئے کہا۔

اسی کے بارے میں شیخاں بھکاری مہر کی کوئی بہتر سرکردگی اس کی طرح اپنی زندگی کو ایسے جھیلیوں میں ڈالنے کی۔
 نہیں کر سکتے۔ لیکن آخر اس نے صفدر کو اپنے بارے میں سب کچھ کیوں بتا دیا تھا؟ اپنی دولت میں اسے دھوکے میں رکھ کر حسبِ منشا کام لگاتی رہتی۔ یہی سوال صفدر کو اب بھی ڈالے ہوئے تھا۔
 اس نے متوسط درجے کے ہوٹل میں رہائش اختیار تو کر لی تھی لیکن ایکسٹوئی کے حکم کے مطابق گررڈ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اب کہاں مقیم ہے۔ نوں پر گفتگو ہوتی اور وہ ملاقات کے لیے کوئی جگہ مقرر کر لیتے۔ صفدر ہی اسے رنگ کرتا۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے اور صفدر ساحلی علاقے کے ایک ریسٹوران میں اس کا منتظر تھا۔
 دس منٹ بعد وہ وہاں پہنچ گئی لیکن چہرے پر کوششیں اُڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کوئی درندہ اسے یہاں تک دور لانا چاہتا ہو۔
 کیوں؟ تمہیں کیا ہوا؟ صفدر نے پوچھا۔
 بتاتی ہوں۔ وہ ایک کرسی میز کے قریب کھسکا کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ پہلے حلقی ترک کرنے کے لیے کچھ منگو آؤ۔
 کافی؟
 نہیں کوئی ٹھنڈی چیز۔
 صفدر نے ویٹر سے کوئی ٹھنڈا مشروب لانے کو کہا۔
 نہ چلے نہیں وہ اس سے نفرتیں ملتا رہی تھی۔
 ویٹر بعد ویٹر سیون آپ کی بوتل لایا۔ گررڈ نے اسے چھو کر اندازہ کیا تھا کہ وہ ٹھنڈی ہے بھی یا نہیں۔
 جلد ہی بوتل تم کو کے اس نے فعال سے ہونٹ لپکے اور آہستہ سے بولی۔
 روپی کل تین دن سے غائب ہے۔
 اوہ تو یہی ہے تمہاری پریشانی کا سبب۔ صفدر نے بڑا سادہ بنا کر کہا۔
 اس کی ذات سے مجھے کوئی سروکار نہیں لیکن اسے گمشدگی ہمارے سربراہ کی سرانجامی کا باعث بن گئی ہے۔
 سے میں واقف تھی ان میں سے وہ آخری آدمی تھا۔ اب کوئی اس میرے سامنے نہیں جس میں اس تنظیم سے متعلق کچھ سکون ہے۔
 بعد تو کون کہاں گئے؟
 بعد تو کون کوئی کسی حادثے میں مرا کی کوئی

چھ یہاں سے بھاگ دینے گئے۔ کوئی دانتا ہو گیا۔
 تو اب تمہارے جانے والوں میں سے کوئی نظر نہیں آتا؟
 کوئی بھی نہیں۔ گررڈ نے طویل سانس کے کر بولی۔ اور اب مجھ سے کہا جا رہا ہے اس آدمی سے کام لوں جس نے عمران کا پتہ لگا لیا تھا۔
 یعنی... میں؟
 گررڈ نے کچھ نہ بولی۔ صفدری دیر بعد اس نے کہا میں بھی بھی ہوں۔
 یہاں کی کڑے کے سوپ یا جینیکول کے علاوہ اور کوئی ڈھنگ کی چیز نہ ملے گی۔
 جیسے منگو الو۔
 صفدر نے جینیکول کے لیے ویٹر سے کہا اور خاموشی سے گررڈ کا جائزہ لیتا رہا۔
 کیا دیکھ رہے ہو؟ گررڈ بولی۔
 آخر مجھے میرے مکان سے بتا دینے کا کیا مقصد ہے؟
 اسی کا اندازہ کرنا تھا کہ میرے علاوہ اور کوئی بھی باقی بچا ہے یا نہیں۔
 بھلا اس سے کس طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے؟
 پہلے وہ بہت باخبر رہتا تھا۔ میں خصوصیت سے اسے میں کہہ سکتی ہوں کہ وہ میری ذرا ذرا سی بات کا علم رکھتا تھا۔
 لیکن آج کل اسے علم نہیں کہ کیا کیا کر رہی ہوں۔ اگر فی الحال میرے علاوہ کوئی اور بھی اس کا تابع فیلن ہوتا تو کم از کم اس نے مجھ سے تمہاری نگرانی ضرور کوئی ہوتی۔ وہ شخص اس پر مطمئن ہو جاتا کہ میں نے جسے اچھا یا ہے وہ شخص اس کے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔
 اپنے طور پر بھی اسے دیکھتا رکھتا ہے۔
 پس تو پھر کیلئے تم باسانی اس کے بچے سے رہائی حاصل کر سکتی ہو؟
 یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں۔
 میں دوسری حیثیت میں بھی آزاد نہیں رہش کی پابند ہوں۔ رہش کے سربراہی احاطہ کے بغیر میں ملک سے باہر نہیں جاسکتی۔ نہیں، صفدر میری گھوٹلاسی میں رہاں میں نامکون ہے۔
 تم نامیائے بھی سوچتے ہو کہ میں نے تم پر اپنا راز کیوں ظاہر کر دیا۔ پس کیا بتاؤں؟ کوئی ایسا بھی تو ہونا چاہیے جس کے لئے دل کا بھجنا لگا لاجائے۔ اگر تم نے ملنے مجھے تو میں بالکل ہرجائی بہت اچھے ہوں۔

میں یقیناً بہت اچھا ہوں۔ اگر تمہاری نکات میں اچھا تو کے مجھے کو کہتے ہیں۔
 خطا ہو؟ آخر کیوں؟
 آخر کیوں؟ صفدر نے طنز پر لیے میں کہا۔ گھر چھوٹا اور اب ہوٹل کے لیے چھوڑے اخراجات، میرا باپ استیلا کر لیا نہیں ہے۔
 اس قسم کے سادے اخراجات کا دفتر میں لیتی ہوں۔
 ویسے تمہارا اقیام کہاں ہے؟
 یہ تو میں ہرگز نہ بتاؤں گا۔ پتا نہیں کب تمہاری کوئی مجبوری میری گردن ٹوٹا دے۔ ہر حال آج میں نے تمہیں اسی لیے بلا یا ہے کہ میں اس صورتِ حال سے تنگ آ گیا ہوں۔
 کیا مطلب؟
 میں اب پھر ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جانا چاہتا ہوں۔ یہ نامکون ہے۔ میں راجاؤں کی صفدر! اس مجبوری دنیا میں تمہارے علاوہ اور کوئی بدردہ مجھے نہیں دکھائی دیتا۔
 لیکن یہ بدردی مجھے بہت پہنچی پڑی ہے۔
 تم جو کچھ چاہو میں تمہارے لیے کر سکتی ہوں۔
 بس مجھے بخش دو۔ اس قسم کی زندگی میرے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی۔ شروع میں تقریباً اس مشغلے میں بیٹھا لیکن اب حالات کا علم ہو جانے کے بعد مجھے سوچنا پڑ رہا ہے کہ کہیں میرا مستقبل تباہ نہ ہو جائے۔ پتا نہیں تم لوگ کس چکر میں ہو؟
 گررڈ نے کچھ نہ بولی۔ اتنے میں ویٹر جیسے گلیٹیں لایا اور وہ دونوں خاموشی سے کھاتے رہے۔ گررڈ بہت زیادہ فکر مند نظر آرہی تھی۔
 جیسے گھر کو کے اس نے صفدر سے سگریٹ مانگی۔ بگرٹ کے ہلکے ہلکے دو تین کش کے کر بولی۔ تو تم نے اسی لیے مجھے بلایا تھا؟
 ہاں۔
 میں پھر کہتی ہوں کہ یہ نامکون ہے۔ ویسے میں حتی الامکان گشتش کروں گی کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے، تمہیں ایسا کوئی کام نہ کرنا پڑے گا۔ اس کے لیے میں اپنے ملک کے قوانین کو جواب دہ ہونا چاہتی ہوں۔
 سوال یہ ہے کہ تم بدردی میرے گلے کیوں پڑے؟
 اب تو گلے پڑی گئی ہوں۔
 اچھی بات ہے آئندہ ہمیں رنگ ہی نہ کروں گا تم نہیں

بیشترین جاها بیمارستانها

150

اے پناہی سر پہل سکا۔
اطمینا

131

دروازے اور فرش کے درمیانی خلا میں ڈال کر اندر رکھا دیا پھر ،
سیدھی ہو کر دوبارہ دروازے پر نظر دوڑائی اور اپنے گھر میں واپس
آگئی ۔

88

پانچ بجے شام کو انھیں ملنا تھا ۔

گھر وڑنے جگہ پر پہنچی تھی ۔ صعدہ وہیں پہنچ کر اس کا منتظر
رہا ۔ وہ ٹھیک وقت پہنچی تھی ۔ آج اس نے میک اپ پر شاید
کافی وقت صرف کیا تھا ۔ بڑی دلکش لنگ رہی تھی ۔ بڑی دیر تک
وہ شہر کی مختلف سڑکوں پر پھرتا رہا پھر سے پھر ساڑھے چھ بجے
گھر وڑنے دیا لڑکے کے سامنے گاڑی روک دی ۔
”تم کیوں لوہڑی پھر رہی ہو مجھے“ صعدہ بڑبڑایا ۔

”ابھی ساری کوئی وقت دور ہو جیسے گی ۔ ایک بڑی شرمیلی
لڑکی دکھاؤں گی“

”کیا اب میں کسی دوسری مصیبت میں پھنسل گا؟“

”آؤ... آؤ... اندر چلو“

صعدہ بڑا سامنے بنائے گاڑی سے اتر آ اور وہ دونوں لڑکوں
کی عمارت میں داخل ہو گئے ۔

90

ٹھیک سات بجے رات کو عمارت میں داخل ہوئی ۔
انک کا بال میں کپس کپس خالی میز پر بھی نظر آ رہی تھیں اسے
انک صعدہ کپس کپس نہ دکھائی دیا ۔ وہ نہ دیکھ سکی ۔ اس
سے تو آئی تھی کہ صعدہ کی عدم موجودگی میں شہنشاہ
کی ساس شہنشاہ کی نشستوں سے اسے کبھی دیکھی نہیں رہی تھی ۔
...

...

...

...

...

...

...

...

...

...

...

...

...

...

...

...

...

تلی جتنی موجودہ دور میں تلی فون ، دائرہ میس ،
ریفریج ، مائیکرو ویو سسٹم اور ٹیلی ویژن وغیرہ کی معجزہ بنائیا
المنشر ہیں ، ابھی بہت کم لوگ اس بات سے واقف
ہیں کہ حیات انسانی بھی ایک خود کار برقی نظام سے
متحرک ہے اور انسان ذہن اور روح کی ان دلچسپ برقی
قوت سے عمل پیرا ہے ۔ تلی جتنی بھی کوئی مادہ کا مسلم
نہیں بلکہ ایک نظام ہے ۔ ایک سسٹم ہے جس کے ذریعہ
ایک انسان اپنے ذہن کو مطلوبہ انسان کے ذہن سے
میوں کی دوری پر بھی جوڑ سکتا ہے ۔ بالکل اسی طرح
جیسے ایک طاقت اور ٹرانس میٹر کے ذریعہ رابطہ قائم
کیا جاسکتا ہے ۔

یہ فن مسلسل شوق اور صحیح طریقہ پر عمل کر کے کوئی
بھی حاصل کر سکتا ہے ۔ تلی جتنی کے فن اور مشق کے
ذریعہ بہت سے لوگوں نے کشف و کرامات دکھانے
کی حد تک شہرت پائی ہے ۔ دیوتا ناول ایک ایسے ہی
انسان کی آپ جتنی ہے میری رائے میں ہر شخص اپنی
روح کی برقی طاقت اور ذہن کے کنٹرول سسٹم پر قابو
پاؤں تلی جتنی کا ماہر بن سکتا ہے ۔ میری نظریں کتابت الہی
پہاڑی جموں دہلی سے شائع شدہ کتاب تلی جتنی کا گزشتہ
ایک مکمل ہدایت نامہ ہے ۔

معنی الدین خواجہ



”نہیں مسٹر صدیقی ، میں اس وقت بچتی رہی ہوں ۔
تمہاری یہ ملاقات کاروباری ہے ۔ میں اس کا غور فائل سے
میں کر کے واپس جاؤں گی“
صدیقی ہنسنے لگا اور وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی کیونکہ
ہنسنے کا انداز مضمحل تھا ۔
”مجھے تمہاری وجہ سے ان سہ ماہیوں میں پڑا ہوں صدیقی
نے ہنسی روکنے ہوئے کہا ۔
”میں نہیں سمجھی؟“

”یہی سب کچھ فائل سے کاغذ میں لکھا جائے اور پروفیسر
اس پر کوئی عمل کرے ۔ کیا آج کی دنیا میں یہ سب کچھ ممکنہ چیز
نہیں معلوم ہوتا؟“

”تو تم وہ فائل نہیں لائے؟“

”لایا ہوں ۔ یہ تو کہنا ہے کہ تمہاری وجہ سے یہ خطرہ
بھی مول لینا پڑا ہے ۔ انتہائی کو فیصلہ فائل ہے ۔ نفس کی جڑ
سے باہر نہیں لائی جاسکتی لیکن تمہاری وجہ سے ۔ کوئی بہانہ تو ملتا تھا
آئے ملاقات کا ۔ رافیل تمہیں نہیں کہیں کہ میرے لیے کیا ہو گئی
ہو مجھے بچپن ہی سے ایسا محسوس ہوتا رہا ہے جیسے مجھے کسی کا
انتظار ہو ۔ تم سے ملنے سے قبل تک ہی احساس برقرار رہا ہے ۔
ذرا سوچو تو میں نے صرف ایک اس احساس کی پرورش کی ہے پھر
اپنا کچھ تم سامنے آئی ہو اور وہ ذہنی کیفیت رخنہ ہو جاتی ہے“
”مسٹر صدیقی! مجھے انھوں سے کہ آپ کی باتیں میری سمجھ
میں نہیں آتیں ۔ اب فائل لکھیے میں اس سے کاغذ میں لکھوں اور
اسے پروفیسر تک پہنچاؤں؟“

”تو یہ خطرہ میں نے خواہ مخواہ مول لیا“ صدیقی نے کھسائی
بشی کے ساتھ کہا ، ”میں کروا کر کسی کو معلوم ہو جائے تو مجھے نہ صرف اپنی
حالت سے ہاتھ دھوئے پڑیں گے بلکہ شاید میں جیلا جاؤں“
”تب تو مجھے کچھ اور ہی سوچنا چاہیئے“
”کیا سوچنا چاہیئے؟“

”جب ان چیزوں پر نہیں یقین نہیں ہے تو تم نے اس
لا خطرہ مول ہی نہ لیا ہو گا ۔ یعنی کوئی غیر اہم فائل لائے ہو گے ۔
تمہارے کچھ اصل مقصد تو مجھ سے ملنا ہی تھا ۔
”یہی تو میں کہہ رہا تھا ۔ رافیل کی قسم میں نہیں دھوکا نہیں
دے سکتا“

”مجھے اس سے کیا سروکار ، یہ دھوکا تو پروفیسر کے سامنے ہوتا“

”تمہارے تو سنا ہے میں کسی کو بھی دھوکا نہیں دے
سکتا ۔ میں ایسی ہی ذہنی کیفیت سے دوچار ہوں ۔ مجھ میں
دوسرا فائل لاسکتا تھا لیکن میں لاسکتا ۔ مجھے خود بھی حیرت ہے
کہ میں نے اتنا بڑا خطرہ کیسے مول لے لیا“

”خیر... خیر... اب اسے نکالو ۔ میں اپنا کام کروں ۔ اس
کے بعد میں یہاں نہیں بٹھوں گی تم پھر کبھی مجھ سے مل سکتے ہو“
”دعہ کرتی ہو؟“

”ہاں! میں ملوں گی لیکن اس وقت اصول کے خلاف کچھ
نہیں کر سکتی“

”لیکن میں نے تو دو آدمیوں کے کھلنے کے لیے کہہ
رکھا ہے“

”میری خاطر سے مجھے اس وقت جانے دو ۔ پروفیسر نے
خاص طور پر ہدایت کی ہے کہ کام کر کے فوراً میرے پاس پہنچ جانا“
”اچھی بات ہے نہ صدیقی نے تو یہ سب سنا ہی ۔“

92

”یہ کیا پکڑ ہے؟“ صعدہ نے گڑبڑ سے کہا ۔ اس نے
سبز رنگ کا ایک ذیل ہینڈ بیگ سے نکالا تھا ۔ لڑکی اپنے پرس
سے ایک کاغذ نکال کر گزرتی رہی وہ پھر کاغذ کو اپنے پرس میں
دوبارہ رکھ لیا... اور وہ... اب شاید جا رہی ہے ۔

گھر وڑنے صعدہ کو بولی ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے اس
لڑکی کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ واقعی بہت خوب صورت
ہے ۔ مجھ سے بھی زیادہ... کیسی خوبصورت ہے... چلو...
وہ تو گئی...“

”مجھے بے وقوف بنا رہی ہو ۔ پتا نہیں تم کیا کرنا چاہتی ہو؟“
”کیا لڑکی پسند نہیں آئی؟“
”جو اس مت کر دو“

فیل وہ میں اب صرف تین آدمی تھے ۔ ایک میرے پر دو لڑکیوں
اور جس میز سے لڑکی آئی تھی اس پر ایک مرد جو سبز رنگ کا فائل
برہنہ کپس میں رکھ رہا تھا ۔ برون کپس کے لئے کس کو اس نے
اسے میز کے ایک گوشے میں سرکا دیا اور پائپ میں مٹا کر بھرنے
لگا ۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسے ہی آثار تھے جیسے بڑی تھکن
محسوس کر رہا ہو ۔ کچھ دیر بعد صعدہ نے کہا ۔

”ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟“

”ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی ۔ جب تک یہ یہاں بیٹھا ہے
میں بھی بیٹھنا پڑے گا“

114

اشتهات

لاصفحه و مخصوصه به مقام دار الحکومت و متداوله به

خاص ایجنٹ کے پاس جانے والا تھا۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟
پروفیسر کچھ نہ بولا۔

پروفیسر نے جھلٹاٹ میں رپاولوہری اس پر کھینچنے مارا لیکن وہ دیوار سے ٹکر کر فرش پر جا کر باوجود کہ عمران توانائی بہتری سے بلیک کر دیا اور اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ رپاولوہر کے فرش پر جھرنے اور اس کے اٹھ کھڑے ہونے میں تھکیم کا تاثر نہیں ہوئی تھی مگر رافیلہ نے اسے پروفیسر پر چھلانگ لگائے دیکھا۔ دونوں ہر فرش پر آسے لیکن پروفیسر نے اسے دوسری طرف اچھال چیتا کہ عمران پھر جھلٹاٹ رافیلہ کو لڑی تھی کہ وہ پیکل اور ٹو ویلا تھی جفا فی وقت میں عمران سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے باوجود بھی عمران گویا اس سے بھڑکی طرح جھٹ گیا۔

بیک۔ یہ ایک منٹ گزر جانے کے بعد پھر کسی قسم کی آواز سنائی
 نہ دی تو رافیل نے دروازہ پیٹ پیٹ کر جینا شروع کر دیا۔ دروازہ
 کھولو، یہاں کوئی ہے۔ دروازہ کھولو۔"

لغت والے خطائے کہہ سے سترغ رنگ کا کثیف بادل
 سا برآمد ہو کر کہے کی فضا پر بیخا کر رہا تھا پھر وقت ایں غموس
 ہوا جیسے جہنم کا دروازہ کھل گیا ہوا۔

ارے تم تو جانتے ہی ہو گے۔ موریلی فرمایا ہے۔ اسے مرزا نسیم بیگ کا انتظار ہے۔ ایک دن میں اس سے یہاں ملا تھا۔ آج وہ اسی خیال کے تحت یہاں آئی ہے کہ شاید آج پھر ملاقات ہو جائے لیکن مرزا نسیم بیگ اب اسے کبھی نہ مل سکے گا۔
”میں آپ کی طبیعت کو پہنچ سکتا۔“

”اچھا تو پھر کیا کرو گے؟“
”کچھ بھی نہیں، کروں گا کیا؟“
”تو پھر یہ کسی نوعِ دوس بیوہ کی شکل کیوں بنائے بیٹے ہو؟“
”خواہ مخواہ“ صفر بے دلی سے نہ دیا۔
”کم از کم ہنسنے ہی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا کرو۔“
”خیر... خیر... اب یہ بتائیے کہ اس اینٹ کے باسے میں کچھ تو کیا کرے گا جو دار الحکومت میں کہیں ہے۔“
”کچھ کچھ تو کرنا تھا۔“

”کیا؟ مجھے علم نہیں۔“
”ایک رات اتنی زیادہ بی ڈال کر مارٹ فیلور ہو گیا۔“
”کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قلعے کا سدا ب ہو گیا؟“
”ہرگز نہیں۔“ لیکن اب ہر وقت ہو کر شیار رہنا پڑے گا۔ تم جانتے ہی ہو کہ وہ ملک جس کے یہ جاسوس تھے کسی دوسرے ملک کو کسی قسم کی امداد دینے کے بعد اسے ہرگز پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کو مخالف ملکوں سے بھی کسی قسم کا تعلق رکھتے۔ اپنا یہ موقع بھل کر بیان نہیں کر سکتا۔ پس ایسے ہی چمکنڈوں سے اس قسم کے انقلاب برپا کر دیتا ہے جو اس کی موافقت میں ہوں۔“
صفر تقریبی انداز میں سر ہلاتا رہا پھر بولا: ”بہر حال ہمارا ہونا آسان ہوتا ہے۔“

”وہاں پر شک... وہاں پر شک“ عمران سر ہلاتا رہا۔

”آپ کو اس سے اختلاف ہے؟“
”ہرگز نہیں... تمہارا چیق واقعی بہت وہ ہے... کیا کہنا ہے...“
”میں بھی کہہ رہی ہوں کہ آپ کو اس کی بڑائی تسلیم کرنی چاہیے۔“
”میں تو نہیں کر سکتا۔“
”آپ کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔“
”تو کیا میں اس سے مل کر اس کو اس کی بڑائی تسلیم کروں؟“ عمران نے

حیرت سے کہا: ”اس سے زیادہ سنجیدگی کی صورت اور کیا ہو سکتی ہے؟“
”کیا اس کام کا معاوضہ ابھی نہیں ملا؟“ صفر نے ہنس کر پوچھا۔

”جی ہاں! ہر سال معاوضوں کا سود مل جایا کرتا ہے۔“
عمران نے بے حد شک لہجے میں کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔
”کیا بات ہے آپ کچھ خفا ہے مگر رہے ہیں؟“
”اے کوئی حد ہے بھائی تسلیوں کی۔ آج تنگ پیورا معاوضہ نہ ملا۔“

”تو آپ کو پروا کب ہوگی؟ خیر ہی کتنے آپ کا ہر گز ٹھیک تو آپ پتے نہیں۔“
”پس بس اب خاموش رہو ورنہ مودِ خراب ہو جائے گا۔“
میرا اکیلا جو ذہن ہی پچھ پچھتائیں یومیہ صاف کر دیتا ہے۔ کس کے ذہن ہے خیر اس کا! وہ لوگوں میں سے نہیں گنتیں۔ سیلیان روزانہ ظلم دیکھتا ہے کس کی جیب تر اشتا ہے؟“
”کیوں یہ روگ پال رکھے ہیں؟“

عمران کچھ نہ بولا۔ جیسے سائمنہ بننے دوسری طرف دیکھتا رہا اتنے میں سی بریز کے باہر ساحلی بار برداری کا ایک کنبھا دیکھنے لگا۔ دیکھتا ہی رہا۔ عین دیوار کے نیچے ہی کھڑا تھا جہاں یہ دونوں بیٹھے تھے۔ اس جگہ سے دکھائی بھی دے رہا تھا۔
”دقت! عمران اُسے گھونسا دکھا کر بولا۔“

”اب خاموش رہو۔ اسے شکستہ نہ ترور نہ تمہیں شرمندہ ہونا پڑے گا۔“
”اس بے زبان پر کیوں غصہ اُٹا رہے ہیں؟“ صفر ہنس کر بولا۔

”تو کوئی اہل زبان ڈھونڈ لاؤ۔ اگر بڑی ہمدردی ہے اس سے۔“

عمران صفر پر الٹ پڑا اور صفر ہنسنا رہا۔